ماہنامہ
مسلمان بچے ®
بچوں کے اسلامی و اخلاقی ادب کا ترجمان
لاہور
پاکستان
196
www.musalmanbachay.com
جمادی الثانی ۱۴۴۵/جنوری 2024

چار باتیں



ظلم کی شکست

ٹیپو سلطان شہیدؒ کی سنسنی خیز قسط

زبردست تحریریں، دلچسپ کہانیاں

اور بہت کچھ

فصل تباہ ہو گئی



سب سے منفرد اور کثیر الاشاعت

ماہنامہ

مسلمان بچے

لاہور

پاکستان

بچوں کے اسلامی، اخلاقی، تعلیمی اور تربیتی ادب کا ترجمان

بچے تو سبھی ہیں بہت اچھے
مگر سب سے اچھے مسلمان بچے

جمادی الثانی ۱۴۴۵ھ بمطابق جنوری 2024ء

شمارہ: 6 جلد: 17

قیمت فی شمارہ: 70 روپے

سالانہ زرتعاون =/840 روپے

اپنی کہانیاں اور مضامین صرف اس پتے پر ارسال فرمائیں

پوسٹ بکس نمبر: 15 جی پی او، بہاولپور

ترسیلِ رقم اور حصولِ رسالہ کیلئے:

مکتبۃ ابنِ مبارک

37۔ حق سٹریٹ
اردو بازار۔ لاہور

موبائل: 0322-5140485

پبلشر محمد زاہد نے علی پریس لاہور سے چھپوا کر تقسیم کیا

اس شمارے میں









اس کے علاوہ مستقل سلسلوں کے ساتھ ساتھ اور بہت کچھ.....

فرمان باری تعالیٰ

’’مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور بُرائی سے روکتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہو کر رہے گی یقیناً اللہ سب پر غالب اور حکیم و دانا ہے ان مومن مردوں اور عورتوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ انہیں ایسے باغ دے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔‘‘ (سورۃ التوبہ)

حمد باری تعالیٰ

نہ کسی کا در دکھانا میرے مولا
اپنے آگے ہی جھکانا میرے مولا
ہر گھڑی اپنی تجلی کی وہ کرنیں
میرے دل پر بھی گرانا میرے مولا
تجھ کو ڈھونڈیں لوگ سارے مسجدوں میں
شہرِ دل تیرا ٹھکانہ میرے مولا
راندۂ درگاہ کہیں نہ لوگ مجھ کو
اس ندامت سے بچانا میرے مولا
وحشتوں کے اُن کٹھن لمحوں میں ہم پر
شمع رحمت کی جلانا میرے مولا
سنے گا وہ غموں کو پاس آکر
دل سُنائے پھر فسانہ میرے مولا
بر نہ آئی گر تمنا میری عصمت
کیا کہے گا پھر زمانہ میرے مولا

فرمان رسول اکرم ﷺ

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سخی بندہ اللہ سے قریب ہے نیز اللہ کے بندوں سے قریب ہے اور جنت سے قریب اور دوزخ سے دور ہے اور بخیل اور کنجوس آدمی اللہ سے دور، یعنی قرب خداوندی کی نعمت سے محروم ہے اللہ کے بندوں سے بھی دور ہے اور جنت سے دور اور دوزخ سے قریب ہے اور بلاشبہ ایک بے علم سخی اللہ تعالیٰ کو عبادت گزار کنجوس سے زیادہ پیارا ہوتا ہے۔ (جامع ترمذی)

نعت رسول مقبول ﷺ

رخشندہ ترے حسن سے رخسارِ یقیں ہے
تابندہ ترے عشق سے ایماں کی جبیں ہے
ہر گام ترا ہم قدمِ گردشِ دوراں
ہر جادہ ترا رہ گزرِ خلدِ بریں ہے
ہر قول ترا حرفِ صداقت کا ہے ضامن
ہر فعل ترا حُسنِ ارادت کا امیں ہے
جس میں ہو ترا ذکر، وہی بزم ہے رنگیں
جس میں ہو ترا نام، وہی بات حسیں ہے
چمکی تھی جو ترے نقشِ کفِ پا سے
اب تک وہ زمیں چاند ستاروں کی زمیں ہے
چمکا ہے تری ذات سے انساں کا مقدر
تو خاتمِ دوراں کا درخشندہ نگیں ہے
آیا ہے ترا اسمِ مبارک مرے لب پر
گرچہ یہ زباں اس کی سزاوار نہیں ہے



ایک دُعا یاد کیجئے

عَنْ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ خِبٌّ وَّلَا بَخِیْلٌ وَّلَا مَنَّانٌ

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دھوکہ باز، بخیل اور احسان جتلانے والا آدمی جنت میں نہ جا سکے گا۔

جامع ترمذی

ایک حدیث یاد کیجئے

یَا مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا
عَلٰی طَاعَتِکَ

ترجمہ: اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنی اطاعت پر پھیر دے۔

مسلم شریف

انتخاب: عروسہ انس

میں فلسطین ہوں

میں فلسطین ہوں میں فلسطین ہوں
یہ میری قوم کے حکمراں بھی سنیں
میری اجڑی ہوئی داستاں بھی سنیں
جو مجھے ملک تک مانتے ہی نہیں
ساری دنیا کے وہ رہنما بھی سنیں
صرف لاشیں ہی لاشیں میری گود میں
کوئی پوچھے میں کیوں اتنا غمگین ہوں
میں فلسطین ہوں میں فلسطین ہوں

آئے تھے ایک دن میرے گھر آئے تھے
دشمنوں کو بھی تنہا نظر آئے تھے
اونٹ پر اپنا خادم بٹھائے ہوئے
میری اس سرزمین پر عمر آئے تھے
جس کی پرواز ہے آسمانوں تلک
زخمی زخمی میں وہ شاہین ہوں
میں فلسطین ہوں میں فلسطین ہوں

میرے دامن میں ایمان پلتا رہا
ریت پر رب کا فرمان پلتا رہا
میرے بچے لڑے آخری سانس تک
اور سینوں میں قرآن پلتا رہا
ذرے ذرے میں اللہ اکبر لئے
خوش نصیبی ہے میں صاحبِ دین ہوں
نہ ہی روئیں گے اور نہ ہی مسکرائیں گے
صرف نغمے شہادت کے ہی گائیں گے
میں فلسطین ہوں میں فلسطین ہوں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم

اللہ تعالیٰ کا احسان اور شکر کہ

اس نے ہمیں غزہ کے پیارے لوگوں کے چہرے پر خوشی اور فتح سے دمکتے چہرے دیکھنا نصیب کئے۔غزہ اور نام نہاد اسرائیلی ریاست کے مابین ہونے والی جنگ میں اب تک الحمدللہ غزہ کے شیروں کا پلڑا بھاری رہا ہے اور آئندہ بھی رہے گا ان شاء اللہ۔

تین روز میں غزہ کے مجاہدین نے اپنی حکمت عملی سے اسرائیل کی جیلوں میں قید اپنے 117 قیدیوں کو رہا کروایا۔رہا کئے جانے والے فلسطینیوں کا رام اللہ میں زبردست استقبال کیا گیا۔برسہا برس سے قید کی صعوبتیں برداشت کرتے یہ قیدی جب اپنے وطن پہنچے تو ان کے استقبال کا منظر دیدنی تھا۔ان کے استقبال کے آئے ہزاروں لوگوں نے ان پر پھول نچھاور کئے اور ان کے چہرے فتح کی خوشی تمتما رہے تھے۔

آخر کیوں نہ خوش ہوتے؟ یہ خوشی انہوں نے کمائی تھی۔ایک ایسے بے رحم دشمن کو زیر کر کے اور اسے پوری دنیا کے سامنے ذلیل کر کے فتح حاصل کرنا کوئی معمولی بات نہیں۔

اسرائیل نے نہ صرف اس محاذ پر شکست کھائی ہے بلکہ اس نے ہر میدان میں اب تک غزہ کے شیروں سے بھاری نقصان اٹھایا ہے۔حالانکہ اسے ہر طرح کی بیرونی اور اندرونی مدد حاصل ہے لیکن وہ کوشش کے باوجود ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھ پایا ہے۔تاحال مجاہدین اسکے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح کھڑے ہیں۔

اس کی معیشت بری طرح لرز رہی ہے۔اس کی نام نہاد ٹیکنالوجی کا پول ساری دنیا کے سامنے عیاں ہو گیا ہے۔یہ سب کیونکر ممکن ہو پایا ہے؟ اس لئے کہ وہاں بچپن سے بڑھاپے تک ایک بات سکھائی جاتی ہے کہ سر اٹھا کر جینا ہے اور غلامی نہیں کرنی۔ان کے اندر آزادی کا جنون اس قدر راسخ کر دیا گیا ہے کہ وہ ہنستے مسکراتے ہر قربانی دینے کے لئے آمادہ ہیں۔وہ آسائشوں کو پسند نہیں کرتے اور زندگی کا ایک مقصد ان کے سامنے ہر وقت مستحضر رہتا ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ غزہ کے بچے کس قدر بہادر ہیں؟ وہ اپنے ٹوٹے ہوئے گھروں کے سامنے جیت کا نشان بنائے مسکراتے ہوئے نظر آتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ جس چیز کے لئے وہ لڑ رہے ہیں یہ قربانی اس کے سامنے معمولی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ہم کیا کر سکتے ہیں؟

(1) غزہ کے مجاہدین کے لئے دعائیں مزید بڑھا دیجئے!

(2) اسرائیلی مصنوعات کا بائیکاٹ اب رکنا نہیں چاہیے بلکہ اس کا دائرہ کار مزید بڑھا دیں۔

(3) فلسطین کے متعلق کتب کا مطالعہ کیجئے اور اس کے بارے میں مکمل رہنمائی حاصل کریں۔

(4) جس قدر ہو سکے مستند اداروں کے تحت امداد کا سلسلہ بڑھا دیں بلکہ اپنی ضروریات کو کم کر کے امداد ان تک پہنچانے کی ہر ممکن سعی کریں۔

(5) اور آخر میں غزہ کے محاذ سے جب خوشی کی اطلاعات آئیں تو خوشی منائیں اور ایسی خوشی کہ جو آپ کے چہرے سے عیاں ہو اور اگر خدانخواستہ کوئی غمزدہ خبر آئے تو دکھی ہو جائیں اس طرح کہ پریشانی اور دکھ کے آثار آپ کے چہرے سے عیاں ہوں۔

اللہ تعالیٰ غزہ کو فتح سے ہمکنار فرمائے اور اسرائیل کو نیست و نابود فرمائے۔ آمین

والسلام

ابو عروہ



محمد فیصل علی

ظلم کی شکست



رات بھر کی بارش کے بعد پورا جنگل دھل گیا ہے اور اب درختوں، پودوں، پھلوں اور پھولوں کا رنگ نکل آیا تھا۔ سورج کی روشنی نے ماحول کی چمک دمک میں اضافہ کر دیا تھا۔ یہ بکریوں کا قبیلہ تھا۔ سردار بکری کے ننھے منے میمنوں نے ناشتہ کر لیا تھا اور اب وہ نچلے نہیں بیٹھ رہے تھے۔ وہ خوب بھاگا دوڑی کر رہے تھے اور یوں گھر میں جنگل میں دنگل کا سا سماں تھا۔ آخر وہ بولیں:

"بچو! چلو باہر جا کر کھیلو کودو اور ہاں زیادہ دور مت جانا"

"ٹھیک ہے امی!!"

سب نے بیک زبان جواب دیا اور پھر وہ سب اچھلتے کودتے باہر آ گئے۔

"کون سا کھیل کھیلیں؟"

ایک میمنا بولا

"چھپن چھپائی، چھپن چھپائی"

بہت سی آوازیں اُبھریں

"ٹھیک ہے، تین لوگ باری دیں گے اور باقی سب چھپ جائیں گے، باری والے سو تک گنتی گنیں گے اور پھر ہمیں تلاش کرنے آ جائیں گے"

ایک میمنے نے باقاعدہ طور پر کھیل کا آغاز کیا اور پھر باری دینے والے درختوں کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور بلند آواز میں گنتی گننے لگے:

"ایک

۔۔دو۔۔تین۔۔چار۔۔"

آخر سو تک گنتی مکمل ہوئی تو وہ تینوں اپنے دوستوں کو تلاش کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے، ادھر باقی چار میمنے محفوظ جگہ پر چھپنے کے چکر میں کافی دور نکل آئے تھے۔ اس دوران چار خونخوار انگارہ نما آنکھیں بھی ان کے تعاقب میں تھیں مگر وہ ان سے بے خبر تھے۔

وہ تو جھاڑیوں میں چھپے ہوئے تھے اور سوچ رہے تھے کہ ان کے ساتھی انہیں کیسے تلاش کریں گے۔ ادھر وہ دو شاطر و خونخوار جانور ان کے سروں پر پہنچ چکے تھے۔ اچانک دو میمنوں پہ حملہ ہوا اور کسی مخلوق نے ان کے منھ بند کرکے انہیں ایک بوری میں ڈال دیا۔ بوری میں گرتے ہی وہ زور سے چیخے، ان کی دلدوز چیخیں سن کر ان کے دیگر ساتھی چونکے جو ان سے کچھ فاصلے پر چھپے ہوئے تھے، اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتے، نادیدہ ہاتھوں نے انہیں بھی چھاپ لیا اور وہ بھی بوری کے قیدی بن گئے۔

یہ دو ظالم و مکار جانور گیدڑ اور لومڑی تھے۔ انہوں نے میمنوں کو پکڑ لیا تھا۔

”تم انہیں ٹھکانے پر لے جاؤ۔“

گیدڑ نے سرد لہجے میں کہا

”اور جو تین باقی ہیں، ان کا کیا؟“

لومڑی نے پوچھا

”میں انہیں سنبھال لوں گا۔“

گیدڑ شیطانی انداز میں ہنسا

”ٹھیک ہے۔“

لومڑی نے کہا اور وہ بوری اٹھائے چل پڑی۔ اس کا رخ ایک بڑے سے غار کی طرف تھا۔ اس نے میمنوں کو غار میں بٹھا کر غار کا دہانہ ایک پتھر سے بند کر دیا۔ اس دوران گیدڑ بقیہ تین میمنوں کو بھی لے آیا۔ اب سارے میمنے غار میں قید تھے۔ انہیں بند کر کے لومڑی اور گیدڑ اپنے لیڈروں کی جانب چل پڑے تاکہ انہیں شام کی ضیافت کی دعوت دے سکیں۔ ان کے لیڈر جنگل کے ظالم درندے تھے۔ ان میں شیر اور چیتا سرفہرست تھے۔ ادھر میمنے زور زور سے چیخ رہے تھے، مگر اس ویرانے میں ان کی آواز کون سنتا۔

☆☆☆

”ہمیں فوراً سردار بکری کے پاس جانا ہوگا۔“

شہد کی مکھی نے اپنی دوست سے کہا

”چلو میں بھی چلتی ہوں۔“

اس کی دوست نے کہا۔ دونوں اس سارے واقعے کی عینی شاہد تھیں۔ انہوں نے اغوا کنندہ گیدڑ اور مکار لومڑی کا تعاقب کیا تھا اور یوں انہیں مکار گیدڑ اور لومڑی کے ٹھکانے کا بھی پتہ تھا۔ وہ اُڑتی اُڑتی سردار بکری کے پاس پہنچیں اور انہیں سارا واقعہ بتایا۔ سردار بکری نے فوراً ہی اپنے سپاہی بکریوں کا اجلاس بلایا اور وہ سب حرکت میں آ گئیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ اس مخصوص غار سے اپنے میمنوں کو بازیاب کرا چکی تھیں۔ انہوں نے میمنوں کو محفوظ مقام پر منتقل کیا اور خود قریب ہی چھپ کر مکار گیدڑ اور لومڑی کا انتظار کرنے لگیں۔ سرِ شام ہی لومڑی اور گیدڑ واپس آ گئے، ان کے ساتھ شیر، چیتا اور دیگر خوشامدیوں کا ٹولہ تھا۔ وہ سب وحشیانہ انداز میں قہقہے لگا رہے تھے۔ گیدڑ کہہ رہا تھا:

”آقا! آج تو آپ کو مزا آجائے گا، بالکل نرم

گرم میمنے ہیں"

"بالکل، بالکل گیدڑ درست کہہ رہا ہے۔ میرے تو منہ میں پانی آرہا ہے۔"

لومڑی نے اوپر سے مزید تڑکا لگایا۔ شیر اور چیتا قہقہے لگانے لگے۔ اس دوران وہ غار تک پہنچ گئے۔ آگے کا منظر گیدڑ اور لومڑی کے ہوش اُڑا دینے کے لیے کافی تھا۔ غار کا دہانہ کھلا ہوا تھا۔ وہ تو پتھر کے بت بن گئے۔ شیر اور چیتے نے صورتحال بھانپ لی تھی کہ کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہے۔ وہ زقند بھرتے ہوئے غار میں داخل ہوئے، سامنے ہی خالی بوریاں ان کا منہ چڑا رہی تھیں۔ وہ غضب انداز میں پلٹے۔

"یہ کیا بات ہوئی گیدڑ؟"

شیر غرایا

"ہم سے مذاق کیا ہے؟"

چیتے نے اسے خونخوار انداز میں گھورا

"نن نہیں آقا، وہ ادھر ہی تھے، پورے سات میمنے تھے"

گیدڑ نے کانپتے ہوئے جواب دیا

"آقا لگتا ہے وہ بھاگ گئے۔"

ایک خوشامدی نے لقمہ دیا

"نن نہیں، مگر، وہ پتہ نہیں کیسے ہوا یہ"

لومڑی نے گڑبڑاتے ہوئے کہا

"ہوں، تو تم نے انہیں باندھا نہیں تھا، ایسے ہی ہے ناں؟"

شیر نے ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے کہا اور پھر ایک زور دار دھاڑ ماری۔ اس کے خطرناک تیور دیکھ کر لومڑی اور گیدڑ پیچھے ہٹنے لگے۔ شیر نے چیتے کو مخصوص اشارہ دیا اور وہ دونوں ایک ساتھ گیدڑ اور لومڑی پہ حملہ آور ہوئے۔ ایک ہی حملے میں دونوں ڈھیر ہو چکے تھے۔ شیر اور چیتے نے ایک دوسرے کو دیکھ کر زور سے قہقہہ لگایا۔ یہ منظر دیکھ کر دور بیٹھی بکریوں نے سکھ کی سانس لی، اب انہیں اپنے دشمنوں پر حملے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ دونوں انجام کو پہنچ چکے تھے۔

یہ تو وہی مثل ہوگئی کہ

"جو کوئی کلپائے، وہ کیسے کل پائے"

سردار بکری نے کہا

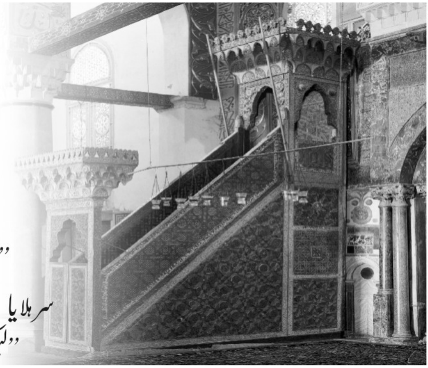
"کیا مطلب سردارنی؟"

ایک بکری نے پوچھا

"کلپانا کا معنی ہے دوسروں کو ستانا، دوسروں کے لیے گڑھا کھودنا۔ یعنی جو دوسروں کو ستاتا ہے وہ خود بھی کل کا سورج نہیں دیکھ پاتا۔ تم نے سنا ہوگا کہ ظالم صہیونی فلسطینی مسلمانوں پر کیسے ظلم و تشدد کر رہا ہے، دیکھ لینا اس کا حال بھی اسی ظالم جیسا ہوگا۔"

سردار بکری نے وضاحت کی تو سب سر ہلانے لگے۔ ظالم اپنے انجام کو پہنچ چکے تھے۔

☆☆☆





"عمر! تمہیں اپنے کام میں کامیابی ہوئی؟"
اسد نے تجسس سے اپنے چچا زاد بھائی عمر کو لکڑیوں اور ایک چھوٹی آری کے ساتھ کام کرتے دیکھ کر کہا

عمر پچھلے کئی دنوں سے ان لکڑیوں کو جوڑ کر کچھ بنانا چاہ رہا تھا مگر ابھی تک کامیاب نہیں ہوا تھا۔

"نہیں، ابھی تک تو نہیں۔" عمر نے نفی میں سر ہلایا

"لیکن مجھے امید ہے میں جلد کامیاب ہو جاؤں گا ان شاءاللہ" اس نے پر امید لہجے میں جواب دیا۔

"اچھا! بتاؤ تو بنا کیا رہے ہو؟ سکول سے کوئی پراجیکٹ ملا ہے کیا؟" اسد نے اشتیاق سے پوچھا۔ وہ دونوں ہم عمر اور نویں جماعت کے طالب

علم تھے مگر دونوں کے سکول جدا تھے۔

”نہیں! سکول کا پراجیکٹ تو نہیں ہے۔“ عمر نے اسد کی جانب دیکھا۔

”کسی نے ایک امانت حوالے کی تھی۔ اس کی حفاظت نہیں ہو پائی لیکن اب وہ امانت لوٹانی ہے۔“ عمر کے چہرے پر غم اور فکر کے سائے لہرا کر رہ گئے تھے

”مجھے امی جان نے مارکیٹ سے کچھ سودا لانے کا کہا ہے تم میرے ساتھ آؤ!“ اسد نے عمر سے کہا تو وہ دونوں مارکیٹ کی جانب چل پڑے

☆☆☆☆☆

”عمر بیٹا! آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں۔ بتی بند کر کے سو جائیں!“ امی جان نے عمر کے کمرے سے روشنی آتی دیکھی تو اس کے پاس چلی آئیں

عمر اپنے بستر پر بیٹھا تکیے سے ٹیک لگائے کوئی کتاب پڑھنے میں مصروف تھا۔

”امی جان!“ اس نے سر اٹھا کر امی جان کی طرف دیکھا تو امی جان کا تو دل ہی کانپ کر رہ گیا۔

”کیا ہوا عمر؟ تمہاری آنکھوں میں آنسو کیوں ہیں؟“

”اگست کا مہینہ شروع ہوتا ہے ناں امی جان! تو میرا دل بہت اداس اور بوجھل ہو جاتا ہے۔ میں اپنے آپ کو بہت کمزور اور بے بس محسوس کرتا ہے۔ میں اکثر اپنے کمرے میں بند ہو کر رو بھی پڑتا ہوں۔“ وہ بہت اداس تھا

امی جان نے ایک گہری ٹھنڈی سانس بھری۔ وہ اس کا دکھ سمجھ رہی تھیں۔ کچھ عرصہ پہلے عمر کی آن لائن ایک تیرہ سالہ فلسطینی بچے نائل سے ملاقات ہوئی تھی جس کے سب گھر والے اسرائیلی دہشت گردوں کے ہاتھوں شہید کیے جا چکے تھے اور ترکیہ کی ایک فلاحی تنظیم کے بے اولاد رکن نے اس بے یارو مددگار بچے کو گود لے لیا تھا۔ یہ بچہ اب نہ صرف ترکیہ میں تعلیم حاصل کر رہا تھا بلکہ فلسطین سے متعلق نیٹ پر اپنا ایک پیج بھی چلا رہا تھا اور دنیا بھر میں اپنے ہم عمر بچوں کو فلسطینی بچوں کے دکھ سے بھی آگاہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

نائل کی انہی کوششوں کے باعث عمر فلسطین اور مسجد اقصیٰ کے دکھ اور امت کی غفلت کو محسوس کر رہا تھا۔

”مگر امی جان! اس مرتبہ میں نے عزم کیا ہے کہ بے بسی کا یہ احساس اتار پھینکوں گا اور ضرور بضرور کچھ کروں گا۔“ اب کہ عمر کے آواز و انداز میں امید اور اعتماد تھا۔

امی جان نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا، اس کی کامیابی کی دعا کی اور سو جانے کی تلقین کرتے ہوئے بتی بجھا کر چلی آئیں۔

☆☆☆☆☆

عمر کے سکول میں صبح کی اسمبلی ہو رہی تھی۔

آج اسمبلی کروانے کی باری عمر کی جماعت کی تھی اور اسمبلی میں پریزینٹیشن عمر نے دینی تھی۔

اپنی باری پر وہ اعتماد سے چلتا ہوا سٹیج تک آیا۔سب طلباء حیران تھے کہ عمر اپنے ساتھ کیا لے کر آیا ہے۔

”عزیز ساتھیو! آپ حیران ہیں کہ اپنے ساتھ میں کیا لے کر آیا ہوں؟

تو سنیے یہ منبر صلاح الدین کا لکڑی سے بنایا گیا ایک ماڈل ہے۔اسے میں نے خود اپنے ہاتھوں سے بہت امیدیں لیے بنایا ہے۔

”منبر صلاح الدین“ کچھ لڑکے بڑبڑائے۔ ان کے لیے یہ کچھ نیا تھا۔

”جی ہاں! منبر صلاح الدین

عزیز ساتھیو! ہم سب کو تمام انبیاء اکرام اور بالخصوص اپنے پیارے رسول حضرت محمد صلی ﷺ سے بے انتہا عقیدت و محبت ہے۔آپ ﷺ سے وابستہ ہر شے ہمیں عزیز تر ہے، یہی وجہ ہے کہ جب پہلی صلیبی جنگ، The First Crusade گیارہویں صدی عیسوی اواخر میں مسیحی یورپ کی جانب سے مسلمانوں پر مسلط کی گئی اور جس کے نتیجے میں 15 جولائی 1099ء میں القدس شہر اور مسلمانوں کی تیسری مقدس ترین مسجد (وہ مسجد جہاں ہمارے رسول ﷺ نے شب معراج تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت کروائی اور جہاں سے آپ ﷺ سفر معراج پر روانہ ہوئے) پر صلیبیوں نے قبضہ کر لیا اور مسلمانوں کا بے دریغ خون بہایا تو انبیاء کرام علیہم السلام اور رسول اللہ ﷺ سے محبت کا دم بھرنے والوں کی آنکھوں سے نیندیں اور لبوں سے مسکراہٹیں غائب ہوگئیں اگر کوئی فکر باقی بچی تو بس وہ بیت المقدس، مسجد اقصی کی آزادی کی فکر تھی۔“

اسمبلی ہال میں موجود سب بچے روانی سے بولتے عمر کو دم سادھے سن رہے تھے۔وہ جو ہمہ وقت سپورٹس چینلز کے زیر سحر تھے ایک یکسر مختلف موضوع سن رہے تھے۔

”یہی وجہ تھی کہ سلطان نورالدین زنگی رحمہ اللہ اوران کے دست راست اور جانشین سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ نے پختہ عزم کیا کہ وہ بیت المقدس کو کفار کے تسلط سے آزاد کروا کے ایک بار پھر وہاں اسلام کا علم بلند کریں گے۔

سلطان نورالدین زنگی جذبہ جہاد سے سرشار یہ پختہ یقین رکھتے تھے کہ ایک نہ ایک دن وہ ضرور مسجد الاقصی کو آزاد کروا لیں گے اور سرزمین اقصی ایک بار پھر مومنین کے سجدوں سے منور ہو گی۔ اسی لیے انہوں نے اس محبوب و مسجود الانبیاء مسجد کی آزادی کے لیے جہاں سرفروشوں کا لشکر تیار کیا وہیں مسجد میں نصب کرنے کے لیے ایک منبر بھی تیار کرنے کا حکم دیا۔یہ منبر شام کے شہر حلب میں تیار ہوا تھا۔اس کو جوڑنے کے لیے کسی قسم کی گوند یا کیل استعمال نہیں ہوئے تھے بلکہ لکڑی کو ہی

مختلف طریقوں سے خوب صورتی اور مہارت سے تراش کر بنایا اور جوڑا گیا تھا۔

"دوستو! یہ میں نے اسی منبر کا ماڈل تیار کرنے کی کوشش کی ہے۔ جیسے سلطان نور الدین زنگی رحمہ اللہ کو قوی امید تھی کہ وہ مسجد الاقصی آزاد کروا کے دم لیں گے آج میں بھی ایسے ہی عزم کرتا ہوں کہ مسجد الاقصی کی آزادی کے لیے اپنا تن، من دھن وار دوں گا۔"

جوش سے عمر کی آواز بھرا گئی تھی۔ اسمبلی ہال تالیوں سے گونج اُٹھا تھا سب کی نگاہیں عمر کے بنائے گئے منبر کے ماڈل پر مرکوز تھیں۔

"مگر دوستو! سلطان نور الدین زنگی رحمہ اللہ کی عمر نے وفا نہ کی اور وہ بیت المقدس کی آزادی سے پہلے ہی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

ان کے بعد ان کے جانشین اور مسلم قوم کے بہادر و غیور سپہ سالار سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ نے بہادری اور ملی غیرت کی شاندار تاریخ رقم کرتے ہوئے ایک طویل اور ان تھک جدو جہد کے بعد 1187ء میں مسجد الاقصیٰ پر 88 سالہ صلیبیوں کے غاصبانہ قبضے کا خاتمہ کیا اور اس عظیم الشان منبر کو محراب مسجد میں نصب کر کے دنیائے عالم پر ثابت کیا کہ مسجد الاقصیٰ کے حقیقی وارث امت محمدیہ کے سوا کوئی اور نہیں ہیں۔

ہال ایک بار پھر تالیوں سے گونج اُٹھا، جذبہ ایمانی سے مغلوب ہو کر ایک بچے نے نعرہ تکبیر بلند کیا تو سب نے اس کی تقلید کی۔

"لیکن دوستو! اس منبر کی کہانی ابھی باقی ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد ناجائز یہودی ریاست اسرائیل نے فلسطین کے عوام پر ظلم وستم اور غیر انسانی سلوک کی انتہا کر رکھی ہے۔ گاہے بگاہے مسجد الاقصیٰ اور اس سے منسوب ہر شے ان کے بغض و عناد کا شکار ہو رہی ہے۔

21 اگست 1969 کو آسٹریلوی نژاد یہودی دہشت گرد ڈینس مائیکل روہن نے مسجد الاقصیٰ میں آگ لگا دی جس میں دیگر نقصانات کے ساتھ ساتھ مسلم تاریخ کا یہ نایاب و شاندار منبر جو سات صدیوں سے مسلم کاریگری و ہنر مندی کے ساتھ ساتھ ان کی غیرت وحمیت اور بہادری و شجاعت کا منہ بولتا ثبوت چلا آرہا تھا جلا دیا گیا۔"

عمر نے لمحہ بھر کو رک کر گہری سانس لی، سب طلباء کے چہروں پر دکھ کا سایہ سا لہرا گیا تھا۔

ساتھیو!! وہ منبر تو جل گیا مگر اس کی راکھ پکارتی ہے۔ فاتح بیت المقدس حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کے جانشینو! سپہ سالار فتوحات شام امین الامت حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور سلطان نور الدین زنگی رحمہ اللہ کے وارثو!!! اٹھو!"

عمر اپنے ہم عمروں اور ہم جماعتوں کو جذبے اور جوش سے پکار رہا تھا۔

"بیت المقدس کی آزادی اور تحفظ کے لیے، مظلوم فلسطینیوں کے حقوق کے لیے۔"

وہ نائل اور اس جیسے بے شمار فلسطینی بچوں کے دکھ کی آواز بن کر سکول ہال میں گونج رہا تھا، اس کی آواز مسجد اقصیٰ کے وارثوں، پاکستانی بچوں کے دلوں پر دستک دے رہی تھی۔

وہ کہہ رہا تھا...

"میرے ساتھیو! بیت المقدس کے حقیقی وارث امت محمدیہ کے سوا، ہمارے سوا کوئی اور نہیں ہے۔ آؤ ہم بھی سلطان نورالدین زنگی رحمہ اللہ کی مانند مسجد اقصیٰ میں نصب کرنے کے لیے کوئی منبر تیار کریں، ہم میں سے بھی کوئی سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کی طرح وہ منبر ہر لمحہ اپنے ساتھ رکھے اور مسجد اقصیٰ میں اسے نصب کر کے دم لے، ہم میں سے بھی کوئی تو اُٹھے، کوئی تو......"

عمر کی آواز شدت غم سے بھرا گئی تھی

ہال میں یکدم خاموشی چھا گئی تھی جسے پرنسپل صاحب کی آواز نے توڑا:

"پیارے عمر! میں تمہارے علم اور جذبے کی قدر کرتا ہوں اور تمہارے درد کی پذیرائی کرتے ہوئے اعلان کرتا ہوں کہ اسکول میں اب مسجد اقصیٰ آگہی مہم شروع کی جائے گی...

جس میں ہم قرآن وحدیث سے اس عظیم مسجد کی اہمیت وفضیلت اور اس کی تاریخ کے بارے میں جانیں گے، اس کی موجودہ صورت حال اور اس کو لاحق خطرات کے بارے میں جانیں گے اور یہ بھی دیکھیں گے کہ ارض فلسطین کی آزادی کے لیے ہم سب کیا عملی اقدامات اٹھا سکتے ہیں۔"

پرنسپل صاحب کے اعلان پر جہاں عمر کو بہت خوشی ہوئی تھی وہیں ہال ایک بار پھر تالیوں سے گونج اٹھا تھا۔

☆☆☆☆☆

اقوال زریں

۱) کوئی آئینہ انسان کی اتنی اچھی تصویر نہیں دکھا سکتا جتنی کہ اس کی گفتگو (۲) جو سر جھکا کر چلتے ہیں ان کی والدین سر اٹھا کر چلتے ہیں اور جو سر اٹھا کر چلتے ہیں ان کے والدین سر جھکا کر چلتے ہیں (۳) دولت کو خوش نصیبی سمجھنا ہی انسان کی بد نصیبی کا ثبوت ہے۔

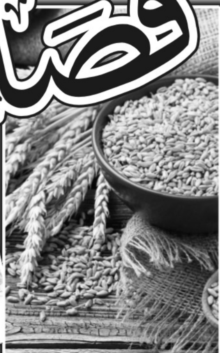
مراسلہ: سلمیٰ حفیظ

جہاں بیرونی طاقتیں ہمیں ہماری جڑوں سے کاٹ کر ہماری نسل نو کو زبردستی اپنی ناکام بے راہ روسود اور عریانی پر مبنی تہذیب ٹھونس رہی ہیں (جسے ہم آنکھوں دیکھی مکھی کی طرح نگلتے ہی جا رہے ہیں) وہاں ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم اپنی اساس، اپنے دو قومی نظریے، اپنے تاریخی، تہذیبی ورثے اور اپنی اسلامی شریعت کو انفرادی اور اجتماعی سطح پر اپنی آئندہ نسلوں کے سپرد کرنے کے لیے کوششیں تیز تر کر دیں۔

☆☆☆☆☆

فصل تباہ ہو گئی

حفصہ بنت عبداللہ طارق


"اتنی بڑی رقم کہاں سے آئی آپ کے پاس؟" سر سے پھسلتے دوپٹے کو ہاتھ سے دوبارہ ٹھیک کرتے ہوئے تقریباً درمیانی آواز میں کہا

اُس کی بات سن کر احمد نے ادھر اُدھر دیکھا کہ کہیں کوئی سن یا دیکھ تو نہیں رہا۔ چہرے پر... ناگواری کی لہر دوڑ گئی۔ غصہ بھری ایک نظر اُس پے ڈال کر کمرے کی جانب قدم بڑھا دیئے

"ارے! کہاں چلے؟ کیا فصل فروخت ہو گئی؟" تھوڑے تعجب سے دریافت کیا کیونکہ اس دفعہ اُس کے اندازے کے خلاف جلدی گھر آ گئے تھے۔

لیکن احمد صاحب کمرے میں پہنچتے ہی ڈانٹنے لگے۔

"کتنی دفعہ کہا ہے اس طرح نہ پوچھا کرو! دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں، چوروں کا محلہ ہے، کسی نے سن لیا تو سب کچھ لے اُڑیں گے۔"

"جی اچھا! وہ فصل بکنے کی خوشی میں بھول گئی تھی۔" حفصہ نے اپنی صفائی پیش کی

"خوشی تو مجھے بھی ہے۔ بہت اچھی فصل تھی دیکھتے ہی اچھی خاصی رقم مل گئی وہ بھی نقد" احمد نے لفافوں والا ہاتھ آگے بڑھایا

"اللہ نے کرم کیا ہے ورنہ بھائی ابوبکر کو تو بہت نقصان اُٹھانا پڑا، اور..."

احمد صاحب نے بات کاٹی۔

"ہماری زمین ہی اتنی اچھی ہے اور میں نے خرچہ بھی بہت زیادہ کیا تھا تو فصل کی کیا مجال جو اچھی نہ ہو۔"

"زمین کچھ بھی نہ کر سکتی اگر اللہ نہ چاہتا۔ اللہ کا

بہت بہت شکر ہے ۔اب بس جلدی سے عشر کی ادائیگی کر دیں تاکہ حق ادا ہو جائے اور اگلی دفعہ اس سے بھی بڑھ کر ہو۔'' حفصہ دین دار خاتون تھی اور وہ جانتی تھی کہ اس کھیتی کو دینے والے کا بھی اس پر کچھ حق ہے۔

''بس رہنے دو! جب تھوڑی سی رقم دیکھی تو بانٹنے کا کہہ دیتی ہو میں نے ہزاروں کے قرض لے کر اتنی مشکل سے گزارا کیا ہے اور فصل کاٹی ہے تم تقسیم کرنے کا کہہ رہی ہو۔'' احمد غصہ ہو گیا لیکن حفصہ نے سوچا کہ شاید سمجھ جائے اسی لیے دوبارہ کوشش کی۔

''اگر ہماری وجہ سے کسی غریب کا گزر بسر ہو جائے گا تو اس میں کیا حرج ہے۔''

''مجھے منے کے سکول میں بھی دینے ہیں اور بھی بہت سے کام ہیں ۔اگر تم نہیں سنبھال سکتی ہو تو مت رکھو! میں خود ہی رکھ دیتا ہوں۔اب مجھ سے بحث نہ ہو!'' احمد نے دو لفافوں میں بند رقم اُٹھائی اور خود ہی جا کر رکھ دی۔

کچھ بھی سنے بغیر وہاں سے چلے گئے۔

☆☆☆☆☆

عشر کسے کہتے ہیں؟

زمین کی غرض سے اُگائی جانے والی شے کی پیداوار پر جو زکوۃ دی جاتی ہے اُسے عشر کہتے ہیں۔

کیا عشر ادا کرنا ضروری ہے؟

جی ہاں ! ،قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اس کھیتی کا حق دو جس دن یہ کٹے۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

جو لوگ کہ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اور وہ اپنے مال میں سے پوشیدہ طور پر اور ظاہری طریقے سے خرچ کرتے ہیں۔

یہ کیسے معلوم ہو کہ کس قدر دینا ہے؟

جتنی بھی پیداوار حاصل ہو اُس کا دسواں حصہ ۔اس کے لیے مدت مقرر نہیں اگر سال میں دو دفعہ بھی حاصل ہو تو دونوں دفعہ دینا چاہیے۔

کیا قرض دینے کے بعد اس کا دسواں حصہ ادا کرنا ہوتا ہے؟

نہیں !! بلکہ قرض دینے سے پہلے اور کوئی بھی ضرورت زندگی پوری کرنے سے پہلے جتنی کھیتی حاصل ہوئی ہو اُس میں سے ادا کرنا ہوتا ہے اور اگر فصل قدرتی پانی یعنی بارش، نہروں وغیرہ سے سیراب ہوتی ہے تو دسواں حصہ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اللہ نے بجلی پیدا کی کہ کچھ لوگ تو اسے دیکھ کر ڈرتے ہیں ، کچھ لوگ امید کرتے ہیں (یعنی کھیتی وغیرہ کو سیراب کرنے کے لیے) اور بھاری بادل بھی پیدا فرمائے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی محنت سے ٹیوب ویل وغیرہ سے لگائے تو بیسواں حصہ۔

کیا ہم اس قدر ناشکرے ہو گئے ہیں کہ جس

رب نے ہمیں دیا اُس کا حق ہی ادا نہ کریں۔

سوال و جواب کے بعد ابو بکر کی بیوی عشر کے بارے میں جان گئی۔ حفصہ اُن کی فصل کی تباہی پر افسوس کرنے آئی تھی اور جس قدر ممکن ہو سکا آواز کو نرم کرتے ہوئے عشر کے بارے میں بتایا اور آئندہ کے لیے وعدہ لیا کہ وہ ضرور ادا کریں۔

وہ عشر دینے پر راضی ہو گئی تھی۔

کچھ لوگوں کو اللہ امتحان میں اس لیے ڈالتا ہے کہ اُن لوگوں کو اپنے قریب کر سکے اور ایسے لوگوں کی مثال وہ سونا ہے جو آگ سے نکلنے کے بعد کندن بن جاتا ہے۔

مگر جن لوگوں کے دلوں پر مہر لگی ہو وہ کیسے سمجھ سکتے ہیں اُن کی مثال ایسے ہے کہ جب سونے کو آگ میں کندن بنانے کے لیے ڈالا جائے اور راکھ بن جائے۔

کیا سونا اور راکھ برابر ہو سکتے ہیں؟

حفصہ پریشان تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے گھر میں سب کو سمجھانے سے قاصر تھی۔ پیسوں کی لالچ میں آ کر کوئی بھی اُس کی بات نہ سن رہا تھا

☆☆☆

آدھی رات کو شور کی آواز سے احمد صاحب اور باقی گھر والوں کی آنکھ کھلی۔ تھوڑا غور سے سنا تو پتا چلا کہ یہ تو لوگ انہیں کو آوازیں دے رہے تھے۔

جلدی سے باہر نکلے اور گیٹ کھولا۔

کیا ہوا؟

سیلاب آگیا۔

لیکن کیسے؟ کیا رکاوٹیں ٹوٹ گیئں۔

سیلاب سے بچنے کے لیے بڑی بڑی رکاوٹیں بنائی گئی تھیں۔ ہر دفعہ جب بھی سیلاب آتا تھا تو وہ اسی طرح رکاوٹیں بنایا کرتے تھے اور سیلاب سے بچ جاتے تھے لیکن اس دفعہ شاید پانی زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ ٹوٹ گیئں تھیں۔ پانی کا ریلا کسی بھی وقت پہنچنے والا تھا۔

”کھڑے کیوں ہو جلدی سے باقی گھر والوں کو بلاؤ اگر جان بچانی ہے تو“ ایک آدمی نے اُسے جھنجھوڑ کر کہا۔

باقی گھر والے صورت حال کو سمجھ چکے تھے اور بس تیار کھڑے تھے پھر وہ افراتفری میں کچھ بھی اُٹھائے بغیر بھاگ گئے۔

وہ رقم جسے احمد نے چھپا کر رکھا تھا اگر اُٹھاتے تو پھر جان نہ بچا سکتے اس لیے مجبوراً اس کو چھوڑ کر جانا پڑا۔

جب اللہ کا عذاب آتا ہے تو اُس سے بچانے والا کوئی نہیں۔

اُن کے گھر ایسے ہیں کہ اُن میں کوئی رہنے والا نہیں۔

اس میں ایسے لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو عقل یا سمجھ رکھتے ہیں۔

قسط اول

میدان جنگ کا
بہادروں

صبح کا سماں تھا۔ ہر طرف روشنی ہی روشنی تھی۔ ہر کوئی آج خوش تھا۔ زلیخا آج بہت خوش تھی کیونکہ اس کا چھوٹا بیٹا علی آج یونیورسٹی سے واپس اپنے شہر آرہا تھا۔ کئی سال علی گھر سے دور رہ کر آج آخر کار آنکھوں کے سامنے ہوگا۔ جبکہ دوسرا بیٹا صدیق آج ایک محاذ سے لوٹ رہا تھا۔ جبکہ فاتح بڑا بیٹا تھا جو گھر پر ہی موجود تھا۔

زلیخا کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ علی سب کا لاڈلا تھا کیونکہ سب سے چھوٹا تھا۔ زلیخا سب ہی بیٹوں سے بہت پیار کرتی تھی۔۔ صدیق بھی بہت ذہین اور بہادر تھا۔

زلیخا نے طرح طرح کے کھانے بنائے تھے۔ سب علی اور صدیق کے پسند کے کھانے تھے۔ میمونہ بھی اٹھ کر کچن میں آگئی۔

میمونہ ایک ہی بہن تھی سب بھائیوں کی، آج اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اتنے سالوں بعد بھائیوں سے ملنے کیلئے بہت پرجوش تھی۔

میمونہ نے حسب معمول سارے گھر کا جائزہ لیا۔ سارا گھر چمک رہا تھا۔ کچن میں آکر تو ٹھٹک سی گئی، اس کی امی نے آج بہت سی ڈشز بنائی تھی۔

میمونہ نے اپنی امی سے سوال کیا، امی آپ کو صدیق بھائی کے آنے کی زیادہ خوشی

حفصہ فاطمہ



ہے یا علی بھائی کے آنے کی؟

زلیخا نے چہرے پر مسکراہٹ سجائے ہوئے جواب دیا، صدیق کی فتح کی بہت زیادہ خوشی ہے کیونکہ صدیق غازی بن کر لوٹ رہا ہے جب کہ علی ڈگری لیکر مگر میں دونوں کی آمد سے خوش ہوں دونوں میرے لئے ایک جیسے ہیں دونوں جگر کے ٹکڑے ہیں میرے۔

''امی! یہ تو ہے اب علی بھائی کو بھی جہاد کرنا چاہیے غازی بننا چاہیے انہیں''

''بس بیٹا! اب آرہا ہے تو مدرسے میں داخل کرواؤں گی اب کیونکہ میں نہیں چاہتی میرے سب بیٹے مجاہد ہوں اور علی مجاہد نہ ہو'' زلیخا نے اداس ہوتے ہوئے کہا۔

اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ زلیخا جلدی جلدی دسترخوان سجانے لگی۔ میمونہ نے دروازہ کھولا تو وہیں ساکت سی کھڑی رہ گئی صدیق کو دیکھ کر۔ ہاتھ میں کلاشنکوف، سر پر پگڑی، چہرے پر نور اور دبدبہ تھا۔ چہرے پر سنت نبوی صدیق کو اور دلکش بنا رہی تھی۔

میمونہ کو ساکت سا کھڑا دیکھ کر صدیق نے چہرے پر مسکراہٹ سجائے سلام کیا۔

''السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ'' فاتح کی آواز سن کر میمونہ سیدھی کھڑی ہوگئی۔

''وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ، بھائی! آئیں اندر، دیکھیں امی نے کتنے پیار سے کھانا بنایا ہے''

فاتح بہن کی خوشی دیکھ کر چہرے پر مسکراہٹ سجائے دسترخوان پر بیٹھ گیا۔

فاتح صدیق کو لینے گیا تھا زلیخا کا بڑا بیٹا تھا جو کئی محاذوں سے فتحیاب ہو کر لوٹا تھا۔ صدیق آج پہلی فتح حاصل کر کے آیا تھا۔ صدیق نے میمونہ کو تنگ کرنے کیلئے پہلے فاتح کو اشارہ کیا۔

''سب کچھ امی نے بنایا ہے بہنا! آپ نے اپنے غازی بھائی کیلئے کچھ نہیں بنایا؟'' صدیق نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''کچھ بنایا تو نہیں، مجھے بنانا آتا ہی نہیں بھائی!'' میمونہ نے معصومیت سے کہا۔

''دیکھیں صدیق بھائی! خالی خوشی منا رہی ہے آپ کی فتح کی اتنی خوشی ہوتی تو آج سارے ڈشز ہی ہماری بہن کے ہاتھوں کی بنائی ہوتیں'' فاتح نے بھی تنگ کرنے میں حصہ ڈالتے ہوئے کہا۔

میمونہ اٹھ کر کچن کی جانب چلی گئی۔ پیچھے فاتح اور صدیق بغور اس کو دیکھنے لگے۔ ہنسنے لگے۔ زلیخا ''بسم اللہ'' پڑھ کر بیٹھ گئی۔ فاتح اور صدیق اب خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔

''بیٹا! کیسے حالات ہیں برما کے؟'' زلیخا نے برما کے حالات پوچھتے ہوئے کہا۔ صدیق کافی دیر کی خاموشی رہنے کے بعد گویا ہوا۔

''امی! وہاں پر لوگ بہت مشکلات میں ہوتے ہیں۔ وہاں کوئی مجاہدوں کو پناہ دے تو

پھانسی دیتے ہیں۔ بہت پابندیاں لگاتے ہیں ان پر اگر بات نہ مانیں تو ظلم وستم کرتے ہیں ان کی اجازت کے بغیر کسی کو ٹھہرا بھی نہیں سکتے ہیں قتل کرتے ہیں بے گناہ لوگوں کو، ہم نے انتقام تو لیا ہے ان سے مگر کچھ مجاہد ساتھیوں سے خبر ملی ہے کہ کشمیر کے حالات بہت خراب ہیں۔''

''اللہ تعالیٰ ان ظالموں کو نیست و نابود کرے۔ اللہ ان ظالموں سے مظلوموں کو رہائی نصیب فرمائے۔'' صدیق نے اداس ہوتے ہوئے کہا۔

''آمین'' امی، فاتح اور صدیق نے ساتھ آمین کہا۔

''فاتح! اب آپ کشمیر کے محاذ پر جائیں گے۔ پھر سے آپ کو ان سے بہترین انتقام لینا ہے۔ آپ کو میرے دودھ کا حق ادا کرنا ہوگا۔ کشمیر کی ہر بہن کی حفاظت کرنی ہے آخری سانس تک۔ جن درندوں نے ان کی عصمت پر ہاتھ ڈالے ہیں ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو بیٹا! ان کے جلے ہوئے گھروں کا انتقام لینا ہے آپ نے۔ ہر مجاہد بیٹے ہر شہید کے قطرے قطرے کا حساب کافروں سے لینا ہے۔ آپ کے بھائیوں پر بے انتہا تشدد کرتے ہیں۔ یہ ہر طرح کا ظلم وستم کرتے ہیں۔ انہیں واصل جہنم کیئے بغیر واپس نا آنا ورنہ میں آپ کو دودھ نہیں بخشوں گی'' زلیخا اپنے بیٹے کو کشمیر کے جہاد پر بھیجنے سے پہلے اس کا جذبہ بیدار کر رہی تھی۔ فاتح بھی ایک فرمانبردار بیٹا تھا۔

''امی! آپ سے میں جنت میں شہداء کے ساتھ ملوں گا، اپنے ہر بھائی ہر مسلمان کے لہو کے قطرے قطرے کا حساب لونگا کفار سے، اگر آپ کا بیٹا فاتح شکست کھا کر واپس آئے تو مجھ پر آپ کا دودھ حرام ہے۔ اے عظیم امی جان! آپ کے دودھ کا حق ادا کروں گا۔ کبھی ان کفار سے نہیں ڈروں گا۔ کبھی میدان جہاد سے بزدل ہو کر پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ جب تک سانس باقی ہوگی دشمنوں کے سینوں پر گولیاں پیوست کر کے جاؤں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ''

فاتح کے یہ الفاظ سن کر صدیق نے بے اختیار ''ماشاء اللہ'' کہا اور زلیخا نے الحمدللہ کہا کہ ایسا بیٹا نصیب ہوا۔

''بھائی! کوئی شک نہیں کہ آپ دودھ کا حق ادا کریں گے کفار سے ہر صورت مقابلہ کریں گے'' میمونہ جو کچھ دیر پہلے کچن میں گئی تھی مگر اس نے اپنا یہ خیال بدل کر اپنے کمرے میں جا کر کچھ لے آئی تھی۔

''بھائی! آپ کو میری طرف سے یہ کلاشنکوف تحفہ، اس میں میں نے سو سے زائد گولیاں بھر دی ہیں، یہ آپ دشمنوں کے سینوں میں پیوست کر دیجیے گا''

''ان شاء اللہ تعالیٰ بہنا!'' فاتح نے کلاشنکوف لیکر رکھ دی۔

"بہت خوبصورت ہے، ماشاء اللہ" صدیق جو میمونہ کو گھور رہا تھا۔

"امی! دیکھیں آپ کا غازی بیٹا جب سے آیا ہے گھور رہا ہے۔" میمونہ نے امی سے شکایت لگاتے ہوئے کہا۔

"امی! غازی بن کر میں لوٹا ہوں تحفہ فاتح بھائی کو دے رہی ہے، ابھی بھی میں قصور وار ہوں"

"یہ تو ہے بیٹا! آپ نے بھی تو غازی صدیق صاحب کے ساتھ ناانصافی کی ہے"

"امی! آپ بھی۔۔۔" فاتح نے کہا۔

"بھائی! آپ کو تو کلاشنکوف ملی ہے نا اس لئے سائڈ لے رہے ہیں کچھ دیر پہلے آپ میری سائڈ پر تھے"

"بھائی! آپ کو اس سے زیادہ قیمتی چیز دوں گی، بس اب خوش؟"

"ہاں نا اب خوش، یہ ہوئی نا انصاف والی بات"

اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ فاتح دروازے کی جانب چل دیا۔ دروازے پر یوسف صاحب اور علی کھڑے تھے۔

"السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ بابا جان!" فاتح اور علی تھوڑی دیر ایک دوسرے کو دیکھ کر دونوں ساکت سے کھڑے رہ گئے۔ فاتح کا حلیہ سادہ تھا چہرے پر مسکراہٹ تھی اور داڑھی تھی، سفید لباس میں ملبوس تھا جب کہ علی نے پینٹ شرٹ زیب تن کی ہوئی تھی، تھوڑی دیر علی فاتح کو دیکھتا رہ گیا۔ فاتح نے آگے بڑھ کر خوش دلی سے علی کو گلے لگایا تو علی بھی خوش دلی سے گلے لگ گیا۔ گلے لگنے کے بعد فاتح علی کو اندر لے آیا۔

علی نے اپنی بہن سے بہت ہی کم بات کی بس خاموش ہی بیٹھا تھا۔ فاتح کو یہ بات بہت ناگوار گزر رہی تھی پہلے تو فاتح نے علی سے حال احوال پوچھا۔ علی کیسے ہو، پڑھائی کیسی رہی آپ کی۔ علی جو خاموش بیٹھا تھا گویا ہوا۔

"جی بھائی! بہت اچھی رہی اور میں بھی ٹھیک۔ آپ کیسے ہیں؟"

"الحمدللہ رب کا کرم ہے۔ ویسے علی آپ بدل گئے ہو"

"نہیں بھائی! بدل تو آپ گئے ہیں، میں تو حیرانی کی کیفیت میں مبتلا ہوں، بالکل ملا لگ رہے ہیں، ہاہاہا، لگتا ہے آپ کا کسی مولویوں سے پالا پڑا ہے وہ بھی بہت زیادہ پڑا ہے"

"علی! ایک اور لفظ مت بولنا، میرا بیٹا مجاہد ہے" یوسف صاحب نے علی کی بات بیچ میں کاٹتے ہوئے کہا۔

"ملا بننے میں کوئی حرج نہیں ہے یہ تو لوگوں کی بری سوچ ہے"

"بابا جان! مجاہد کیا ہوتا ہے کیسا ہوتا ہے؟" علی نے معصومیت سے سوال کیا جس پر سب

مسکرادیے۔ اب یوسف صاحب نرمی سے گویا ہوئے کیونکہ یوسف صاحب کو معلوم تھا علی نرم لہجے میں ہی سمجھ سکتا ہے۔علی برا نہیں تھا بس بری صحبت نے اس کو برا بنادیا تھا۔علی کو بری صحبت نے برباد کیا تھا۔دنیا میں مگن کر دیا تھا۔اب تو علی کی جان چھوٹ چکی تھی بری صحبت سے۔علی بہت پشیمان تھا اپنی گزاری گئی زندگی پر اور بری صحبت اختیار کرنے پر جن کے ساتھ رہ کر وہ نماز تک سے دوری اختیار کر چکا تھا۔ یوسف صاحب نے علی کو سمجھانے کی کوشش کی۔

”بیٹا! دیکھو! مجاہد وہ ہیں جو جہاد کرتے ہیں۔اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں۔مظلوم مسلمانوں کی مدد کرتے ہیں۔کشمیر فلسطین شام برما عراق چیچنیا بوسنیا کے مظلوم مسلمانوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ مظلوم مسلمان ہیں جو ان پر بے انتہا ظلم وستم کے پہاڑ گرائے جاتے ہیں۔ان کے گھروں کو آگ لگائی جاتی ہیں۔ان کی بیٹیوں کی عزتیں تار تار کی جاتی ہیں۔امت محمدیہ کے نوجوانوں پر جیلوں میں قیدیوں پر دردناک تشدد کیے جاتے ہیں۔وہاں کی ماؤں بہنوں کی عزتیں تک محفوظ نہیں وہ محفوظ نہیں۔مجاہد ان کے محافظ بنتے ہیں۔ ان کے بہائے گئے خون کے ہر قطرے قطرے کا انتقام لیتے ہیں کفار سے۔فلسطین میں اسرائیلی بچوں پر بمباری حملے کرتے ہیں۔مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی کرتے ہیں وہاں پر نمازیوں پر تشدد کرتے ہیں۔ مسجدوں کو شہید کرتے ہیں۔

کشمیر کی مائیں کہتی ہونگی بیٹا! یہ حوصلے بھی ہمارے ہیں سرزمیں کشمیر بھی ہمارا اختیار بھی ہمارا نہیں سرزمین بھی ہماری گھروں کو بھی ہمارے ہی آگ لگائی جاتی ہیں۔جلائے بھی ہم جائیں ستائے بھی ہم جائیں۔عزتیں بھی ہماری جائیں جگر گوشوں بھی ہمارے ہی کاٹے جائیں۔روز ہمیں زخموں سے چور چور کیا جاتا ہے۔محافظ بھی ہمارا کوئی نہیں بنتا۔سرزمین بھی ہماری محفوظ بھی ہم نہیں۔مدد بھی ہماری کوئی نہیں کرنے آتا۔

برما کے مظلوم کہتے ہونگے، سرزمیں بھی ہماری محفوظ بھی ہم نہیں۔یہ حوصلے بھی ہمارے ہیں مارے بھی ہم جائیں ستائے بھی ہم جائیں کاٹے بھی ہم جائیں قتل عام بھی ہمیں کیا جائے۔امت محمدیہ کے مسلمانوں کا دل نہیں ہوتا کیا؟ جلایا بھی ہمیشہ ہمیں جاتا ہے۔پھانسیوں پر بھی ہمیں لٹکایا جاتا ہے۔آخر کب ہمارا انتقام لیا جائے گا۔آخر کب ہمارے قطرے قطرے کا انتقام لیا جائے گا۔“

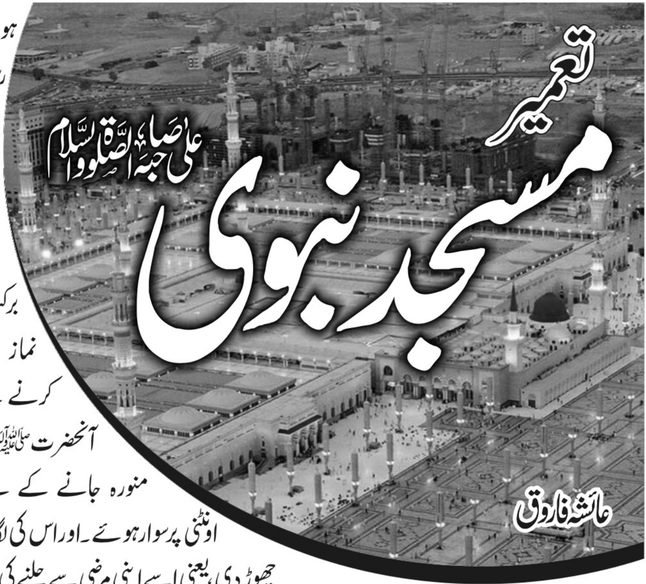
علی اب رو رہا تھا۔

”بابا جانی! مگر اللہ تو سب کی حفاظت کرتا ہے نا“

اس بار جواب دینے والا فاتح تھا۔

”بھائی! اللہ سب کا محافظ ہے۔اللہ نے ہم پر جہاد فرض کیا ہے۔

(جاری ہے)



تعمیر مسجد نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام

عائشہ فاروق

اسلام میں جمعہ کی پہلی نماز جو مدینہ منورہ کے محلے بنی سالم کی مسجد میں ادا کی گئی، اب اس مسجد کو ''مسجد جمعہ'' کہا جاتا ہے۔ یہ قبا کی طرف جانے والے راستے کے بائیں طرف ہے۔ اس طرح یہ پہلی نماز جمعہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نماز سے پہلے خطبہ بھی دیا تھا۔ اس پہلے خطبے میں جو کچھ ارشاد فرمایا، اس کا کچھ حصہ یہ تھا۔

''پس جو شخص اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچانا چاہتا ہے تو ضرور بچالے۔ چاہے وہ آدھے چھوہارے کے برابر ہی کیوں نہ ہو، جسے کچھ بھی نہ آتا ہو، وہ کلمہ طیبہ کو لازم کرلے، کیونکہ نیکی کا ثواب دوگنا سے لے کر سات سو گنا تک ملتا ہے اور سلام ہو اللہ کے رسول پر اور اللہ کی رحمت اور برکت ہو۔''

نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ جانے کے لیے اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے۔ اور اس کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی، یعنی اسے اپنی مرضی سے چلنے کی اجازت دی۔ اونٹنی نے پہلے دائیں اور بائیں دیکھا، جیسے چلنے سے پہلے فیصلہ کر رہی ہو کہ کس سمت میں جانا ہے، ایسے میں بنی سالم کے لوگوں (یعنی جن کے محلے میں جمعے کی نماز ادا کی گئی تھی) نے عرض کیا۔

''اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے ہاں قیام فرمائیے، یہاں لوگوں کی تعداد زیادہ ہے۔ یہاں آپ کی پوری حفاظت ہوگی... یہاں دولت بھی ہے، ہمارے پاس ہتھیار بھی ہیں... ہمارے پاس باغات بھی ہیں اور زندگی کی ضرورت کی سب چیزیں بھی موجود ہیں''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی بات سن کر مسکرائے، ان کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا:

"میری اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو، یہ جہاں جانا چاہے، اسے جانے دو، کیونکہ یہ مامور ہے"
مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اونٹنی خود چلے گی اور اسے اپنی منزل معلوم ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو دعاء دی:
"اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطاء فرمائے"
اس کے بعد اونٹنی روانہ ہوئی۔ یہاں تک کہ بنی بیاصہ کے محلے میں پہنچی۔ یہاں کے لوگوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے درخواست کی کہ ان کے ہاں ٹھہریں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں بھی وہی جواب دیا جو بنی سالم کو دیا تھا۔ اسی طرح بنی ساعدہ کے علاقے سے گزرے۔ ان حضرات نے بھی یہ درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہی جواب فرمایا۔ اونٹنی آگے بڑھی۔ اب یہ بنی عدی کے محلے میں داخل ہوئی، یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دادا عبدالمطلب کا ننھیالی خاندان تھا۔ ان لوگوں نے عرض کیا:
"ہم آپ کے ننھیال والے ہیں، اس لیے یہاں قیام فرمایئے۔ یہاں آپ کی رشتہ داری بھی ہے، ہم تعداد میں بھی بہت ہیں۔ آپ کی حفاظت بھی بڑھ چڑھ کر کریں گے، پھر یہ کہ ہم آپ کے رشتہ دار بھی ہیں، سوہمیں چھوڑ کر نہ جائیں۔"
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں بھی وہی جواب دیا کہ یہ اونٹنی مامور ہے، اسے اپنی منزل معلوم ہے۔ اونٹنی اور آگے بڑھی اور اسی محلے میں ایک جگہ بیٹھ گئی۔ یہ جگہ بنی مالک بن نجار کے محلے کے پاس تھی اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازے کے قریب تھی۔
حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام خالد بن زید نجار انصاری تھا۔ یہ قبیلہ خزرج کے تھے۔ بیعت عقبہ کے موقع پر موجود تھے۔ ہر موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بہت قریبی معاونین میں سے رہے۔ ان کی وفات یزید کے دور میں قسطنطنیہ کے جہاد کے دوران ہوئی۔
اونٹنی بیٹھ گئی، ابھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس سے اُترے نہیں تھے کہ وہ اچانک پھر کھڑی ہوگئی... چند قدم چلی اور ٹھہر گئی... آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کی لگام بدستور چھوڑے رکھی تھی۔ اونٹنی اس کے بعد واپس اس جگہ آئی جہاں پہلے بیٹھی تھی۔ وہ دوبارہ اسی جگہ بیٹھ گئی۔ اپنی گردن زمین پر رکھ دی اور منہ کھولے بغیر ایک آواز نکالی۔ اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس سے اُترے۔ ساتھ ہی فرمایا:
"اے میرے پروردگار! مجھے مبارک جگہ پر اُتارنا اور تو ہی بہترین جگہ ٹھہرانے والا ہے۔"
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ جملہ چار مرتبہ ارشاد فرمایا، پھر فرمایا:
"ان شاء اللہ! یہی قیام گاہ ہوگی"
اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سامان اتارنے کا حکم دیا۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:
"کیا میں آپ کا سامان اپنے گھر لے جاؤں"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں اجازت دے دی۔ وہ سامان اُتار کر لے گئے۔ اسی وقت حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ آ گئے۔ انہوں نے اونٹنی کی مہار تھام لی اور اونٹنی کو لے گئے، چنانچہ اونٹنی ان کی مہمان بنی۔

بنی نجار کے ہاں اُترنے پر ان کی بچیوں نے دف ہاتھوں میں لے لیے اور خوشی سے سرشار ہو کر ان کو بجانے لگیں اور یہ گیت گانے لگیں:

ترجمہ: ہم بنی نجار کے پڑوسیوں میں سے ہیں، کس قدر خوش قسمتی کی بات ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمارے پڑوسی ہیں''

ان کی آواز سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم باہر نکل آئے۔ اُن کے نزدیک آئے اور فرمایا:

''کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟''

وہ بولیں:

''جی ہاں! اے اللہ کے رسول''!

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

''اللہ جانتا ہے، میرے دل میں بھی تمہارے لیے محبت ہی محبت ہے''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے گھر اس وقت تک ٹھہرے جب تک کہ مسجد نبوی اور اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حجرہ تیار نہیں ہو گیا۔ آپ تقریباً گیارہ ماہ تک وہاں ٹھہرے رہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب قبا سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو ساتھ اکثر مہاجرین بھی مدینہ منورہ آ گئے تھے۔ اس وقت انصاری مسلمانوں کا جذبہ قابل دید تھا۔ ان سب کی خواہش تھی کہ مہاجرین اُن کے ہاں ٹھہریں۔ اس طرح ان کے درمیان بحث ہوئی۔ آخر انصاری حضرات نے مہاجرین کے لیے قرعہ اندازی کی۔ اس طرح جو مہاجر جس انصاری کے حصہ میں آئے، وہ انہی کے ہاں ٹھہرے، انصاری مسلمانوں نے انہیں نہ صرف اپنے گھروں میں ٹھہرایا بلکہ ان پر اپنا مال اور دولت بھی خرچ کیا۔

مہاجرین کی آمد سے پہلے انصاری مسلمان ایک جگہ باجماعت نماز ادا کرتے تھے۔ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ انہیں نماز پڑھاتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائے تو سب سے پہلے مسجد بنانے کی فکر ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور اس کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی۔ اونٹنی چل پڑی، وہ اس جگہ جا کر بیٹھ گئی جہاں آج مسجد نبوی ہے، جس جگہ مسلمان نماز ادا کرتے رہتے تھے، وہ جگہ بھی اس کے آس پاس ہی تھی، اس وقت وہاں صرف دیواریں کھڑی کی گئی تھیں... ان پر چھت نہیں تھی۔ اونٹنی کے بیٹھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بس! مسجد اس جگہ بنے گی''۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

"تم یہ جگہ مسجد کے لیے فروخت کر دو!"

وہ جگہ دراصل دو یتیم بچوں سہل اور سہیل کی تھی اور اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے سرپرست تھے ۔ یہ روایت بھی آئی ہے کہ ان کے سرپرست معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ تھے ۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات سن کر حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"آپ یہ زمین لے لیں، میں اس کی قیمت ان دونوں کو ادا کر دیتا ہوں"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے انکار فرمایا اور دس دینار میں زمین کا وہ ٹکڑا خرید لیا۔ یہ قیمت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال سے ادا کی گئی (واہ! کیا قسمت پائی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہ قیامت تک مسجد نبوی کے نمازیوں کا ثواب اُن کے نامہ اعمال میں لکھا جا رہا ہے)

یہ روایت بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن دونوں یتیم لڑکوں کو بلوایا۔ زمین کے سلسلے میں اُن سے بات کی۔ ان دونوں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! ہم یہ زمین ہدیہ کرتے ہیں"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن یتیموں کا ہدیہ قبول کرنے سے انکار فرما دیا اور دس دینار میں زمین کا وہ ٹکڑا ان سے خرید لیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ انہیں دس دینار ادا کر دیں، چنانچہ انہوں نے وہ رقم ادا کر دی۔

زمین کی خرید کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد کی تعمیر شروع کرنے کا ارادہ فرمایا، اینٹیں بنانے کا حکم دیا، پھر گارا تیار کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے پہلی اینٹ رکھی ۔ پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ دوسری اینٹ وہ رکھیں ۔انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لگائی ہوئی اینٹ کے برابر دوسری اینٹ رکھ دی ۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا ۔ انہوں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اینٹ کے برابر تیسری اینٹ رکھی ۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بلایا ۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اینٹ کے برابر چوتھی اینٹ رکھی ۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام مسلمانوں کو حکم فرمایا:

"اب پتھر لگانا شروع کر دو!"

یوں مسجد نبوی شریف کی تعمیر کا آغاز ہو گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ۵ باتیں

- شرم کی کشش حسن سے زیادہ ہوتی ہے
- رونا دل کو روشن کرتا ہے
- دنیا میں سب سے خطرناک جوانی کا غصہ ہے
- کسی کا دل نہ دکھاؤ کیونکہ تم بھی دل رکھتے ہو
- اولاد کے لئے جو بھی چیز گھر لاؤ تو سب سے پہلے لڑکی کو دو پھر لڑکے کو دو۔

(سدرہ حفیظ)

ابوشفاء

راز سربستہ



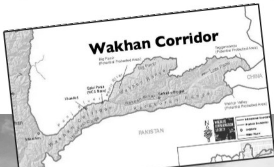
دنیا کی منفرد اور انوکھی ترین سرحدیں

عام طور پر دو ملکوں کے درمیان کوئی قدرتی رکاوٹ ہی ہوتی ہے، مثلاً کوئی دریا، سمندری کھاڑی، کوئی پہاڑی سلسلہ یا کچھ اور۔۔۔ جن کے آر پار دوسرے ممالک ہوتے ہیں۔ پھر ثقافتی و لسانی تقسیم بھی سرحدوں کا ایک اہم عنصر ہے۔ لیکن اگر آپ دنیا کا نقشہ ذرا غور سے دیکھیں تو آپ کو کئی ایسے دلچسپ مقامات نظر آئیں گے جنہیں دیکھ کر آپ کو حیرت ہوگی کہ آخر یہ کس طرح کی سرحد ہے؟

آج ہم دنیا کی کچھ ایسی ہی سرحدوں کے بارے میں بات کریں گے جنہیں آپ منفرد، دلچسپ، عجیب و غریب، حیران کُن جو چاہے کہہ سکتے ہیں۔

(1) واخان پٹی
(Wakhan Corridor)

ان میں ہمیں سب سے منفرد افغانستان اور چین کی سرحد لگی۔ ہوسکتا ہے آپ کو حیرت ہو رہی ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ افغانستان اور چین کی سرحد آپس میں ملتی ہے۔ اس سرحد کو پار کرنا آسان نہیں ہے کیونکہ یہ انتہائی بلند و بالا پہاڑوں میں گھرے

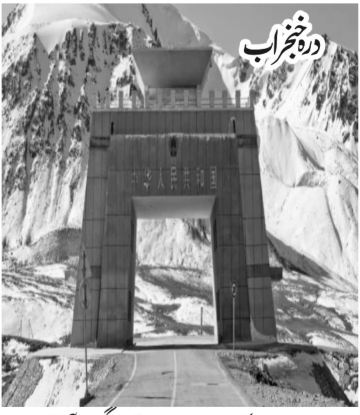




علاقے میں واقع ہے، جسے واخان کوریڈور کہتے ہیں۔ اسے دیکھیں تو لگتا ہے کسی نے زبردستی پاکستان کو تاجکستان سے جدا کرنے اور افغانستان کو چین سے ملانے کے لیے بنایا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے۔

یہ پٹی دراصل 1893ء میں برٹش انڈیا یعنی برطانوی ہند اور افغانستان کے مابین ایک معاہدے کے نتیجے میں بنی تھی۔ اسے روس اور برطانیہ کے مقبوضات کے درمیان ایک بفرزون کے طور پر بنایا گیا تھا تاکہ روس کی سرحدیں برطانوی ہند سے نہ مل سکیں۔

یہ سرحد اس لیے سب سے الگ اور سب سے جدا ہے کیونکہ آج اگر کوئی شخص واخان کی پٹی سے ہوتے ہوئے افغانستان سے چین میں داخل ہوتا



ہے تو اسے اپنی گھڑی کو ساڑھے تین گھنٹے پیچھے کرنا ہوگا۔ دنیا بھر میں کوئی ایسی سرحد نہیں جسے عبور کرنے کے بعد آپ کو وقت میں اتنی تبدیلی کرنا پڑے۔ اس کی وجہ ہے پورے چین میں ایک ٹائم زون کا ہونا۔ رقبے کے لحاظ سے بہت بڑا ہونے کے باوجود پورے چین میں بیجنگ کا معیاری وقت لاگو ہوتا ہے، اسی لیے آج کل یعنی جنوری میں مغربی صوبہ سنکیانگ کے شہر کاشغر میں فجر کی نماز صبح پونے 9 بجے ہو رہی ہے جبکہ سورج صبح سوا10 بجے طلوع ہو رہا ہے۔ ہے ناں حیرانگی کی بات؟

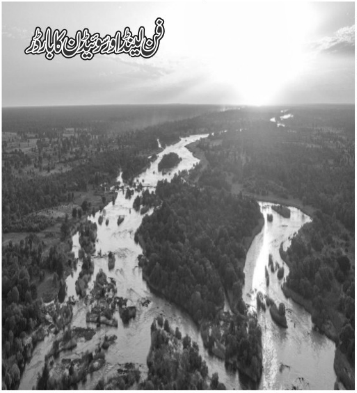
(2) درہ خنجراب

چین کے اسی صوبے سے منسلک ایک اور منفرد سرحدی گزرگاہ ہے، جسے آپ، میں اور سب جانتے ہیں، پاک چین سرحد پر واقع درۂ خنجراب۔ یہ دنیا کے کسی بھی دو ملکوں کے درمیان سب سے بلند سرحدی گزرگاہ ہے۔ دونوں ملکوں کو جوڑنے والی شاہراہِ قراقرم اِس مقام پر 5,400 میٹرز کی بلندی سے گزرتی ہے۔

(3) فن لینڈ اور سویڈن کا بارڈر

دو ملکوں کے ایک اور انوکھی سرحد فن لینڈ اور سوئیڈن کے مابین واقع ہے۔ یہ دراصل بحیرۂ بالٹک میں واقع ایک غیر آباد جزیرے مارکٹ میں ہے، جو دونوں ملکوں کے درمیان برابر تقسیم کیا گیا ہے۔ 3.3 ہیکٹر رقبے پر پھیلے اس جزیرے پر فن لینڈ نے ایک لائٹ ہاؤس یعنی روشن مینار

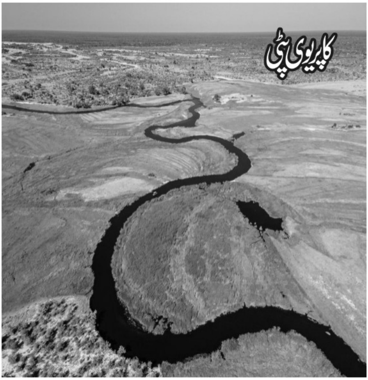
تعمیر کیا لیکن بعد میں پتہ چلا کہ یہ مینار سوئیڈن کے علاقے میں بن گیا ہے۔ تلافی کے طور پر فن لینڈ



نے جزیرے پر اتنا ہی علاقہ سوئیڈن کو دے دیا، جس کی وجہ سے اس جزیرے پر دونوں ملکوں کی سرحدیں عجیب ہی شکل میں نظر آتی ہیں۔ خود ہی دیکھ لیں۔

(4) کاپریوی پٹی (Caprivi Strip)

جغرافیے کی ایک اصطلاح ہے Pan handle یعنی فرائی پین کا دستہ۔ اس کا مطلب ہے کسی بھی ملک کا کوئی ایسا علاقہ جو دوسرے ملک کے بہت اندر تک چلا گیا ہو۔ واخان کی پٹی بھی دراصل ایک پین ہینڈل ہی ہے لیکن ایک منفرد پین ہینڈل ہمیں افریقہ میں بھی ملتا ہے۔ یہ نمیبیا میں واقع کاپریوی پٹی (Caprivi Strip) ہے۔ یہ 450 کلومیٹر طویل پٹی بوٹسوانا کو انگولا اور زیمبیا سے جدا کرتی ہوئی نمیبیا کی سرحد تقریباً زمبابوے سے جا ملاتی ہے۔ یوں ایک جنکشن پوائنٹ بنتا ہے جہاں دو، تین نہیں بلکہ چار ملکوں کی سرحدیں آپس میں ملتی ہوئی نظر آتی ہیں۔



(5) روس اور امریکا کا بارڈر

ایک اور حیران کُن سرحد ہمیں دنیا کے ایک دُور دراز ترین علاقے میں ملتی ہے، روس اور امریکا کی ریاست الاسکا کے درمیان آبنائے بیرنگ میں۔ یہاں دو جزیرے ہیں جنہیں ڈایومیڈ جزائر کہتے ہیں۔ ان میں سے ایک جزیرہ روس کے پاس اور دوسرا امریکا کا حصہ ہے۔ ویسے تو دونوں میں صرف 2 میل کا فاصلہ ہے لیکن ان دونوں جزیروں کے درمیان سے بین الاقوامی خطِ تاریخ (International Date Line)

گزرتا ہے۔ یعنی وہ فرضی خط جس کے ارد گرد تاریخ بدلتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں جزیروں میں 21 گھنٹے کا فرق ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص صرف یہ 2 میل کا فاصلہ عبور کرے گا تو اسے اپنی گھڑی کو 21 گھنٹے آگے یا پیچھے کرنا پڑے گا۔

(6) عمان کی سرحد مدحا

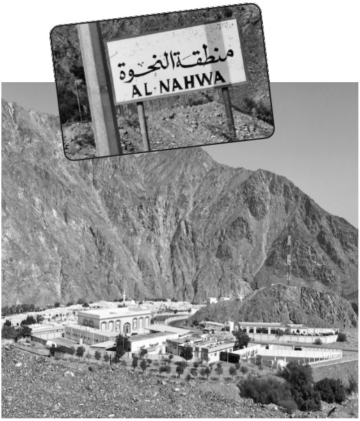
جغرافیہ میں ایک اور اصطلاح ہے exclave یعنی کسی ملک کا کوئی ایسا علاقہ جو مکمل طور پر کسی دوسرے ملک میں گھرا ہوا ہو۔ ایسے کئی علاقے دنیا بھر میں موجود ہیں لیکن متحدہ عرب امارات میں واقع عمان کا علاقہ مدحا اور اس کے



روس اور امریکا کا بارڈر

وسط میں موجود نحوہ سب سے مختلف اور منفرد ہیں۔

مدحا کا علاقہ صرف 30 مربع کلومیٹرز پر پھیلا ہوا ہے، جس کے چاروں طرف متحدہ عرب امارات واقع ہے۔ یہاں کی کُل آبادی 3000



ہے۔ 1930ء کی دہائی میں مدحا کے لوگوں نے شارجہ کی ریاست چھوڑ کر عمان کے ساتھ ملنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن مدحا کے درمیان میں واقع النحوہ نامی گاؤں کے بزرگوں نے اس فیصلے سے اختلاف کیا اور شارجہ کے ساتھ ہی رہنے کا اعلان کیا۔ یہ گاؤں تقریباً 100 گھروں پر مشتمل ہے، جو آج بھی شارجہ کا ہی حصہ ہے جو متحدہ عرب امارات میں شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں بہت ہی دلچسپ اور حیرت انگیز صورت حال نظر آتی ہے، ایک طرف امارات کے بیچوں بیچ میں ہمیں عمان کا علاقہ نظر آتا ہے تو وہیں اس کے قلب میں اماراتی گاؤں ملتا ہے۔

ویسے شکر ہے کہ دونوں ممالک کے درمیان آزادانہ نقل و حرکت کا معاہدہ موجود ہے، ورنہ ایک گلی سے دوسری گلی میں جانے کے لیے بھی ویزا لینا پڑتا۔

از قلم: ساجدہ بتول



باقی سب ٹھیک ہیں!!

ابا میاں آج کل بہت چڑچڑے ہو رہے تھے۔ جب سے سعد بھائی الگ گھر میں شفٹ ہوئے تھے اور شفٹ ہونے کی وجہ یہ بتائی تھی کہ یہاں بچے اپنے کزنز کے ساتھ لڑتے جھگڑتے تھے تو ان کی پڑھائی متاثر ہوتی تھی۔۔اور بس۔۔!

"پڑھائی" کا نام سن کر ابا میاں کا میٹر گھوم گیا تھا۔

"تم گھر چھوٹا ہونے کی وجہ سے نکلتے، آفس کے قریب گھر لینے کے لیے نکلتے یا چلو ساس بہو کے جھگڑوں کی وجہ سے ہی نکل جاتے مگر اِس کمبخت پڑھائی کو کیوں بیچ میں لائے؟ کیا رکھا ہے پڑھائی میں؟؟"

وہ تو برس ہی پڑے۔

سعد بھائی نظر نیچی کیے کھڑے رہے۔ کہتے بھی تو کیا؟ ان میں سے ایک بھی وجہ سرے سے موجود ہی نہ تھی۔ وجہ تو بچوں کی لڑائیوں کی ہی تھی اور اس کی وجہ سے گھر کی سب خواتین ہی تنگ تھیں۔

البتہ ابا میاں کا اعتراض سن کر امّی جان ایک دم بول اٹھیں۔

"بہت فرمانبردار ہے میری بہُو۔ مجھ سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کرتی۔ میری اجازت سے ہی جا رہی ہے۔"

"ہونہہ فرمانبردار" ابا میاں نے سر جھٹکا

"اپنے سب بچے تو اسکول میں ڈال دیے اس نے" کسی کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ ابا میاں ایک دم اسکول، کالج اور پڑھائی کے خلاف کیوں ہو گئے ہیں؟

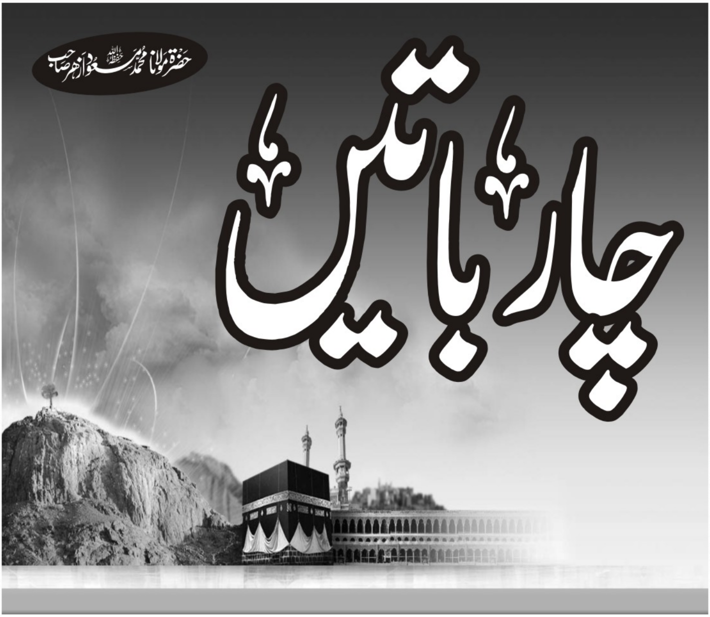
اکیلے میں نہ جانے کیا کیا بڑبڑاتے رہتے، کبھی ان کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگتے۔

بڑے بھائی جان آج کل میں کسی سائیکا ٹرسٹ کی خدمات لینے کا سوچ رہے تھے۔ تاکہ کم از کم اتنا تو معلوم ہو، کہ ابا میاں کو آخر ہوا کیا ہے؟ یہ عقدہ تو حل ہو جائے، اس کے بعد اس کے حساب سے ہی علاج کا سوچا جائے گا۔

اور پھر عُقدہ حل ہو گیا۔

کل شام عاقب بھائی آئے ہوئے تھے، بڑے بھائی جان کے سالے۔۔۔اور وہ بچوں

بقیہ صفحہ 89 پر



چار باتیں

حضرت مولانا محمد مسعود ازہر صاحب حفظہ اللہ

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو ''ایمان کامل'' نصیب فرمائے...... آج میری ایک چھوٹی سی گزارش تو دل سے مان لیں...... انشاء اللہ بہت فائدہ ہوگا...... آج کل مسلمانوں پر ''نفاق'' کا بہت سخت حملہ ہے...... جی ہاں پوری دنیا میں...... اس لئے صبح شام کم از کم سات بار دل کی توجہ کے ساتھ...... نفاق سے پناہ مانگا کریں...... اور جب یہ پناہ مانگ رہے ہوں تو ایسی کیفیت سے مانگیں جیسے اپنی اہم ترین ضرورت مانگ رہے ہیں......

(۱) اللھم انی اعوذبک من النفاق

(۲) اللھم انی اعوذبک من الشقاق و النفاق و سوء الاخلاق

ان دونوں دعاؤں کو اپنی اہم دعاؤں میں شامل کر لیں...... کوشش کریں کہ باوضو مانگیں...... اور کسی نماز کے بعد مانگیں...... اول، آخر درود شریف بھی پڑھیں...... اور دعاء کی نورانیت کو دل سے محسوس کریں...... ''نفاق'' اور ''منافقت'' بہت بڑا عذاب ہے...... نفاق کی دو قسمیں ہیں...... ایک عقیدے کا نفاق...... اور ایک عمل کا نفاق...... اور ''جھوٹ بولنا'' نفاق کی سب سے بنیادی علامت ہے...... آج کل نفاق چاروں طرف سے حملہ آور ہے...... ہمیں چاہئے کہ

پوری عقل مندی کے ساتھ اپنے ایمان کے دفاع کی فکر کریں......

رجب کی دعاء

ہر سال ان دنوں ''رجب'' کی مسنون دعاء یاد دلائی جاتی ہے...... اچھا ہے اس سال بھی ناغہ نہ ہو...... حکومت کے نئے بجٹ نے مہنگائی اور بے برکتی کی جو آگ بھڑکائی ہے...... اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی ''برکت'' ہی بجھا سکتی ہے...... ''برکت'' بہت بڑی نعمت ہے...... چلیں پھر رجب اور شعبان کی برکت اپنے محبوب آقا مدنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک الفاظ کے ذریعہ مانگتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِی رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ

ترجمہ تو آپ کے ذہن میں ہوگا...... ماشاء اللہ ہر سال لکھا جاتا ہے......

اسی طرح دودھ پیتے وقت بھی برکت کی دعاء مسنون ہے

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ

اسی طرح جب کسی نئے شہر اور بستی میں جائیں تو وہاں کی برکت کی دعاء مانگیں

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْھَا وَارْزُقْنَا جَنَاھَا

یا اللہ ہمارے لئے اس بستی میں برکت عطا فرمائیے اور ہمیں یہاں کے پھل کھلائیے......

آج اس موضوع پر بس اتنا ہی...... آئندہ کبھی موقع ملا تو انشاء اللہ ''برکت'' کے مطلب اور معنیٰ پر تفصیل سے گفتگو کریں گے......

مناجات صابری

ہمارے بہت سے بھائیوں اور بہنوں کو...... شدّت کے ساتھ ''مناجات صابری'' کا انتظار ہے...... مگر قسمت! کہ کتاب کا کام مؤخر ہی ہوتا جا رہا ہے...... انشاء اللہ اس تاخیر میں بڑی خیر ہو گی کیونکہ جیسے جیسے تاخیر ہوتی جا رہی ہے ویسے ویسے یہ کتاب مزید نکھرتی اور سنورتی جا رہی ہے...... اب اس میں بہت عمدہ تبدیلیاں ہوئی ہیں...... ماشاء اللہ استغفار کے مسنون صیغے تو ایسے جمع ہوئے ہیں کہ شاید ہی کسی کتاب میں اتنی تعداد میں مل سکیں...... تلاوت، اذکار اور عملیات ہر ایک کو بار بار پڑھ کر مفید اضافے اور تبدیلیاں کی گئی ہیں...... بندہ خود کئی بار کتاب کو دیکھ چکا ہے...... ہر بار پڑھتے اور تصحیح کرتے ہوئے عجیب لطف اور نورانیت محسوس ہوتی ہے...... دل چاہتا ہے کہ حضرت اباجی نور اللہ مرقدہ کا یہ تحفہ جلد از جلد مسلمانوں تک پہنچ جائے...... مگر پھر اس میں کوئی کام نکل آتا ہے...... آپ سب سے دعاء کی خصوصی گزارش ہے......

رزق کا ضیاع

کسی زمانے ہم جیل میں تھے...... وہاں یہ بات شدّت سے محسوس ہوئی کہ مسلمانوں کے دل سے ایک خاص کیفیت بہت تیزی سے نکلتی جا رہی

ہے...... آپ نے دیکھا ہو گا کہ ہمارے گھروں، مدرسوں اور دفتروں میں کتنا ''رزق'' ضائع ہوتا ہے......

انا للہ وانا الیہ راجعون

دنیاداروں کے ہاں تو رزق کو ضائع کرنا فیشن ہے...... جبکہ دین دار لوگ بھی اس بارے میں بے توجہی کا شکار ہیں...... جیل میں قید ساتھی بھی ''رزق'' ضائع کرتے تھے...... ویسے کبھی تو بہت تنگی کا وقت ہوتا تھا...... تب تو روٹی کا ایک ٹکڑا بھی نہیں بچتا تھا...... بادامی باغ میں پرانی بریڈ کے دو پیس ناشتے میں ملتے تھے...... تمام ساتھی اُن کو ''پیزا'' یا فش برگر کی طرح مزے لے کر کھاتے تھے...... مگر جب فراوانی ہوتی تو پھر رزق ضائع ہونا شروع ہو جاتا...... اللہ تعالیٰ کی توفیق سے سب کو اس طرف توجہ دلائی گئی...... نگرانی کا نظام قائم کیا گیا...... تب کچھ افراد تو دل سے عمل کرتے جبکہ بعض...... صرف اُس وقت تک جب تک نگرانی رہتی......

اس فرق کی وجہ...... وہ کیفیت تھی جس کا بندہ نے اوپر تذکرہ کیا ہے......

کیفیت کہتے ہیں دل کی سمجھ کو...... یعنی دل جس چیز کو جس طرح سے سمجھ لے وہ چیز ''کیفیت'' کہلاتی ہے...... ہمارا دل بکری کے گوشت کو اچھا سمجھتا ہے یہ ایک کیفیت ہے...... اسی کیفیت کی وجہ سے ہمیں بکری کا گوشت اچھا لگتا ہے...... لیکن ہمارا دل بلّی کے گوشت سے نفرت کرتا ہے...... یہ بھی ایک کیفیت ہے...... اب کوئی ہمیں دس گھنٹے تقریر کرے کہ بلّی کے گوشت میں یہ یہ فائدے ہیں آپ بلّی کے دو کباب کھالیں...... کیا آپ کھا سکیں گے؟ ہرگز نہیں...... کیونکہ کیفیت بڑی مضبوط چیز ہوتی ہے اور انسان اپنی ''کیفیات'' کے ہاتھوں مجبور ہوتا ہے......

اب ''رزق'' ضائع کرنے کے مسئلے کو دیکھیں...... ایک شخص کے دل میں یہ بات اُتری ہوئی ہے کہ...... اللہ تعالیٰ میرا رازق ہے...... وہ میرا رب ہے...... اور بڑی محبت سے رزق دے کر مجھے پالتا ہے...... وہ میرے رزق کی حفاظت فرماتا ہے اور اسے سب سے بچا کر مجھ تک پہنچاتا ہے...... اور وہ بہت عظیم رب ہے اور میں اُس کا عاجز بندہ ہوں...... اگر یہ کیفیت کسی کے دل میں ہو گی تو یقین کریں روٹی کا ایک لقمہ تو دور کی بات وہ چاول کا ایک دانہ بھی ضائع نہیں کرے گا...... اللہ تعالیٰ تین سو ساٹھ افراد کی محنت کے بعد ایک لقمہ اپنے بندے تک پہنچاتا ہے...... زمین و آسمان کی کتنی مخلوقات کو اس لقمے کے بنانے کی خدمت پر لگاتا ہے...... آپ ملک کے صدر کے پاس جائیں وہ بڑی محبت سے آپ کو کوئی چیز دے...... آپ اُٹھ کر اُس کے سامنے وہ چیز کوڑا دان میں ڈال دیں...... کیا وہ آپ کے اس عمل سے خوش ہو گا؟...... اللہ تعالیٰ بادشاہوں کا

بادشاہ...... کتنی محبت سے اپنے بندے تک رزق پہنچاتا ہے...... اور وہ دیکھتا ہے کہ اُس کے بندے نے کیا معاملہ کیا...... آپ نے نہیں دیکھا کہ کائنات کے سب سے افضل اور اعلیٰ اور مہذّب انسان...... حضرت آقا مدنی ﷺ کھانے کے بعد اپنی مبارک انگلیاں چاٹ رہے ہیں...... جی ہاں اُن کو معلوم تھا کہ ان انگلیوں پر میرے محبوب رب کا رزق لگا ہوا ہے وہ ضائع نہ ہو جائے...... واقعی یہ کیفیت کا مسئلہ ہے...... کئی لوگوں کو آپ بار بار سمجھائیں مگر وہ رزق ضائع کرتے ہیں...... اور بعض لوگ تنہائی میں کچھ کھاتے پیتے وقت بھی ایک دانہ، ایک قطرہ...... اور ایک لقمہ ضائع نہیں کرتے وہ اُسے یا تو خود کھا لیتے ہیں، یا سلیقے سے بچا کر کسی دوسرے انسان تک پہنچا دیتے ہیں...... اب یہ معاملہ سمجھنے سمجھانے سے تو دل میں بیٹھے گا نہیں کافی تجربہ کر لیا ہے...... دعاء کریں کہ مجھے اور آپ سب کو...... اپنے رازق اور رزّاق رب کے ساتھ محبت والی کیفیت نصیب ہو جائے......

کلمہ طیبہ کی محنت

اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے وہ کم ہے کہ...... الحمد للہ کلمے کی محنت سے بہت عجیب فوائد حاصل ہو رہے ہیں...... کئی ایسے مسلمان جنہوں نے بارہ سو بار

”لا الہ الا اللہ“

کے ورد کو پابندی سے معمول بنا لیا ہے...... وہ اپنے اندر بہت سے مثبت نتائج دیکھ رہے ہیں...... دس پندرہ منٹ کا عمل...... مگر فوائد اور نتائج اتنے زیادہ کہ بیان سے باہر...... بعض حضرات اور خواتین نے خطوط میں عجیب کیفیات لکھی ہیں...... اللہ تعالیٰ اُن سب کو مزید ترقی اور قبولیت عطاء فرمائے...... اُس دن تفسیر بغوی...... جس کا نام ”معالم التنزیل“ ہے دیکھ رہا تھا...... اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول تھا کہ...... بنی اسرائیل کو ملک شام میں داخل ہوتے وقت جو ”کلمہ“ پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا وہ

”لا الہ الا اللہ“

تھا...... وقولوا حطّۃ یعنی ایسا کلمہ پڑھتے جاؤ جو تمہارے گناہوں کو بالکل مٹا دے...... اور یہ کلمہ ”لا الہ الا اللہ“ ہے جو گناہوں کو مکمل طور پر ختم کر دیتا ہے...... تھوڑا سا غور کریں کہ اس وقت دنیا میں ”ایڈوانی“ سے بڑا کافر بھی کوئی ہوگا؟...... یہ انتہائی کٹر مشرک، کافر، بت پرست، دشمن اسلام...... اور ذاتی طور پر بہت بُرا شخص ہے...... یہود و نصاریٰ تو پھر بھی...... پرانی کتابوں کی کوئی ایک آدھ اچھی اور سچی بات کو مانتے ہیں...... مگر ہندو، مشرک تو اُس سے بھی محروم ہیں...... لیکن اگر ایڈوانی بھی ایک بار...... دل کے یقین سے

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

پڑھ لے تو اُس کے تمام گناہ بالکل ختم ہو جائیں گے......

اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ...... "لا الہ الا اللہ" کی کتنی تاثیر ہے...... ہم خواہ مخواہ مایوس ہو جاتے ہیں کہ...... فلاں چیز کیسے معاف ہو گی اور فلاں کیسے؟...... "لا الہ الا اللہ" ہر گناہ اور بُرائی کو مٹا دیتا ہے...... اسے دل کے ساتھ جوڑیں، دل میں اس کا یقین بٹھائیں اور پھر دل اور زبان کو ساتھ ملا کر پڑھیں...... اس وقت ہر طرف کفر اور نفاق کے فتنے ہیں...... تمام مسلمان مرد اور عورت کم از کم بارہ سو بار...... "لا الہ الا اللہ" کا ورد اپنا ایسا معمول بنالیں جو کبھی بھی نہ چھوٹے...... انسان پر مختلف حالات آتے رہتے ہیں...... کبھی پڑھنے میں مزہ آئے گا اور کبھی نہیں آئے گا...... کبھی دل لگے گا اور کبھی دل نہیں لگے گا...... مگر آپ اپنی دینی ڈیوٹی سمجھ کر اپنا وظیفہ پورا کریں...... اور پھر اگر اللہ تعالیٰ توفیق عطاء فرمائے تو اس تعداد میں اضافہ بھی کرلیں...... اب تو ویسے بھی عبادت کے مہینے شعبان اور رمضان آرہے ہیں...... کلمہ طیبہ...... لا الہ الا اللہ محمّد رسول اللہ...... ہی میں ہم مسلمانوں کی کامیابی ہے...... اس کلمے کو خوب بیان کیا کریں تاکہ یہ مسلمانوں کے دل میں اُتر جائے...... اور مسلمانوں کو کلمے کی عزت اور مقام کا علم ہو جائے...... حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب اس کلمے کی عزت و عظمت کو پہچانا تو ساری دنیا کے سامنے اعلان فرما دیا کہ...... ہم لوگ ذلیل قوم تھے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کے ذریعے عزت دی...... اب اگر ہم اسلام کے علاوہ کسی اور چیز میں عزت ڈھونڈیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں پھر ذلیل فرما دے گا...... سبحان اللہ...... یہ ہے کلمے پر ایمان کہ...... کلمے کے بغیر ہم ذلیل قوم تھے...... حالانکہ عربی تھے، قریشی تھے، بڑے خاندان کے تھے...... مگر کلمے کے بغیر کسی زبان، قوم اور قبیلے میں کوئی عزت نہیں...... عزت کلمے میں ہے...... آج پھر مسلمانوں کو...... قومیت، لسانیت اور وطنیت کے بدبودار نعروں کی طرف بُلایا جارہا ہے...... آج پھر اپنی زبان، علاقے اور قبیلوں کو عزت مند قرار دیا جا رہا ہے...... اے مسلمانو! یہ جہالت ہے جہالت...... اور عظیم کلمے کی ناقدری...... ہم مسلمانوں کے لئے بس ایک ہی نسبت عزت والی ہے...... اور وہ ہے...... اسلام کی نسبت...... یعنی کلمہ طیبہ کی نسبت......

لا الہ الا اللہ محمّد رسول اللہ

اللھم صل علی سیدنا محمد والہ وصحبہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا

☆......☆......☆

فرزند حجاز

بنت کاشف

قافلے کو مدینے سے چلے آج چوبیسواں دن تھا۔ جب قافلہ کوفہ کے نواح میں پہنچا تو دن ڈھل چکا تھا۔ شہر کی بڑی شاہراہ کے گرد کھجور کے درختوں کے سائے لمبے ہونے لگے تھے۔

ایک ایک کر کے تمام مسافر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے لیکن محمد بن ادریس کا یہاں کوئی گھر تھا نہ اس کے کسی دوست کا مسکن۔ وہ شہر کی جامع مسجد میں یہ دعا پڑھتا ہوا داخل ہوگیا:

"اے اللہ! مجھ پر اپنے فضل کے دروازے کھول دے!" جب وہ مسجد میں داخل ہوا تو عصر کی نماز ہو چکی تھی۔ اس نے نماز پڑھی اور مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھ کر آنے جانے والوں کو خاموشی سے تکتا رہا۔ اسی دوران محمد بن ادریس کی نظر ایک خوبرو نوجوان پر پڑی جو نماز پڑھ رہا تھا۔ اس نے اس کے طریقہ نماز کو دیکھا اور پھر وہ چونک اٹھا کہ نوجوان نماز ٹھیک طرح نہیں پڑھ رہا۔ اس نے اپنی نظریں پھیر لیں کیونکہ وہ کسی بھی انسان کی عیب جوئی سے بچنا چاہتا تھا۔

لیکن یہ عبادت کا مسئلہ تھا اور نوجوان نماز میں غلطی کو دہرا رہا تھا۔ اس لیے محمد بن ادریس کو تکلیف سی محسوس ہوئی۔ وہ کوشش کے باوجود اپنے آپ کو اس سے باز نہ رکھ سکا اور اس کی طرف متوجہ ہوا اور خود کلامی کے انداز میں زیرلب بڑبڑانے لگا:

"انسان کتنا غافل ہے کہ زندگی کے اہم ترین فریضے کو بھی صحیح طور



پر ادا کرنا نہیں جانتا۔"

نوجوان نے نماز ختم کی اور دُعا کے لیے ہاتھ بلند کر لیے۔ وہ نوجوان کو نصیحت کرنا چاہتا تھا لیکن وہ اس خیال سے خاموش تھا کہ نوجوان اس غلطی پر شرمسار ہو جائے گا اور وہ کسی صورت بھی نوجوان کے چہرے پر عکس ندامت دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔لیکن دوسری طرف اسے یہ خیال بھی ستا رہا تھا کہ اگر اس کی کوتاہی کی نشاندہی نہ کی گئی تو وہ ساری عمر یونہی بھٹکتا رہے گا اور روزِ محشر جہاں نوجوان سے پوچھ ہوگی تو وہاں دیکھنے والے سے بھی سوال کیا جائے گا کہ علم رکھنے کے باوجود اس بے راہ روی پر خاموش کیوں رہا؟

اس کے دل و دماغ میں یہ کشمکش جاری تھی کہ نوجوان دعا مانگ کر کھڑا ہو گیا۔

پھر جیسے ہی وہ جانے کے لیے مڑا محمد بن ادریس نے اسے آواز دی۔

"نوجوان! اگر آپ برا محسوس نہ کریں تو میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔"

نوجوان ایک لمحے کے لیے رک گیا۔اس نے محمد بن ادریس کو حیرانی کے ساتھ دیکھا اور پھر کہا۔"جی فرمائیے!"

نوجوان کے لہجے کے تیکھے پن کو نظر انداز کرتے ہوئے محمد بن ادریس اپنی جگہ سے اُٹھا اور اس کے قریب پہنچ کر کہنے لگا:

"یا اخی! کیا تم مجھے اس بات کی اجازت دو گے کہ میں تم سے تمھاری نماز سے متعلق بات کر سکوں؟" محمد بن ادریس نے نہایت محتاط اور دلآویز لہجہ میں کہا۔

نوجوان نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا اور پھر تیز آواز میں بولا۔

"تم میری نماز سے متعلق بات کرنا چاہتے ہو!" نوجوان کے ایک ایک لفظ سے حیرت و استعجاب کا اظہار ہو رہا تھا۔

وہ یہ تصور بھی نہ کر سکتا تھا کہ اس سے بھی کم عمر ایک اجنبی اس سے اس موضوع پر بات کرنے کی جسارت کرے گا۔اس نے بے قراری کے انداز میں کہا۔

"تمھیں جو کچھ کہنا ہے کہہ ڈالو!"

اب عراقی نوجوان کے لہجے سے تمکنت کے ساتھ ساتھ غرور بھی ٹپکنے لگا تھا۔

"میرے لیے یہ بات بہت آسان تھی کہ میں تمھاری غلطی پر چشم پوشی سے کام لیتا اور اس طرح تمھاری نفرت و غضب کا نشانہ بننے سے بچ جاتا۔" محمد بن ادریس نے نوجوان کے غرور کو نظر انداز کرتے ہوئے بدستور نرم و شیریں لہجے میں کہنا شروع کیا۔

"مگر میرے پیارے بھائی! روزِ حشر میں خدا کی گرفت تمھارے اندازے سے بھی زیادہ سخت ہوگی۔ بھائی! نماز پوری صحت کے ساتھ پڑھا کرو! اللہ تمھارے اس چاند سے مکھڑے کو جہنم

کی جھلس سے بچائے رکھے۔"

عراقی نوجوان جو پہلے ہی اسے نہایت خشمگیں نظروں سے دیکھ رہا تھا، اب یہ تلخ نصیحت سن کر تو وہ بھڑک اُٹھا۔

"تمھیں دوسروں کی عبادات میں غلطیاں نکالنے کا حق کس نے دیا ہے؟"

"میرے علم نے جو میرے اللہ نے مجھے بخشا ہے" محمد بن ادریس نے باوقار لہجے میں اس طرح کہا کہ اس کے چہرے اور کسی لفظ سے بھی غرور کا اظہار نہ ہوتا تھا۔

"تمھاری عمر تمھارے دعوے کا ساتھ نہیں دیتی۔" نوجوان کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔

"دعوے کا تعلق عمر سے نہیں علم اور صلاحیت سے ہوتا ہے۔ جن کو اصلاح اور ہدایت مطلوب ہوتی ہے وہ کہنے والے کے چہرے کو نہیں اپنے عمل کو دیکھتے ہیں" محمد بن ادریس نے صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے کہا۔

عراقی نوجوان پر اس کی عالمانہ گفتگو کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اس کی باتوں کو عمر کے پیمانوں سے ماپ رہا تھا۔ مقامی نوجوان کے لیے یہ بات سخت ناگوار تھی کہ ایک کم عمر اجنبی اس کی نماز پر اعتراض کر رہا تھا۔

"محسوس یہ ہوتا ہے کہ تم حجازی مکے مدینے کے رہنے والے ہو؟" عراقی نوجوان کے غصے میں مزید شدت پیدا ہو چلی تھی۔

"بے شک میں حجازی ہوں" محمد بن ادریس نے نہایت سادگی سے جواب دیا۔ وہ عراقی نوجوان کی بات کا مفہوم نہیں سمجھا تھا۔

"مگر میرے حجازی ہونے سے تمھاری نماز کا کیا تعلق؟ حجاز ہو یا عراق، شام ہو یا مصر، اسلام تو ہر جگہ ایک ہی رہتا ہے۔"

"میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ تم حجازی ہو۔" نوجوان نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔

"کیونکہ یہ روکھا پن اور خشک مزاجی حجازیوں ہی میں پائی جاتی ہے۔ بھلا ان لوگوں کو عراقیوں جیسی نرمی و شگفتگی کہاں نصیب!" اور پھر ذرا تیز لہجے میں بولا۔

"مجھے اس مسجد میں پندرہ سال نماز پڑھتے ہوئے ہو گئے ہیں۔ جانتے ہو اس مسجد میں امام ابوحنیفہ کے دو بڑے شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد نماز پڑھنے آتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ نماز پڑھتا ہوں۔ ان عظیم ائمہ کو میری نماز میں کبھی کوئی کوتاہی نظر نہ آئی۔ آپ کل کے چھوکرے چلے ہیں اعتراض کرنے۔" یہ کہتے ہوئے نوجوان نے بڑی حقارت اور غصے کے ساتھ اپنی چادر محمد بن ادریس کے منہ پر جھاڑی اور منہ ہی منہ میں کچھ کہتا اور پاؤں پٹختا ہوا چلا گیا۔

محمد بن ادریس کو نوجوان کی باتوں سے خفت بھی ہوئی اور حیرت بھی کہ امام محمد اور ابو یوسف نے اس کو ٹوکا کیوں نہیں۔

نوجوان جب مسجد کے صدر دروازے پر پہنچا تو اسے وہاں امام ابو یوسف اور امام محمد نظر آ گئے۔ علم فقہ کی ان جلیل القدر ہستیوں کو دیکھتے ہی نوجوان بے قابو ہو گیا۔

''حضرت! آپ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے مجھے ایک زمانہ ہو گیا ہے۔'' جوان جذباتی لہجے میں بول رہا تھا۔

'' کبھی آپ کو میری نماز میں کوئی خامی نظر آئی؟''

'' نہیں! امام محمد اور ابو یوسف نے بیک زبان کہا۔

''نوجوان ہم نے تو تمھاری نماز میں کبھی کوئی کوتاہی محسوس نہیں کی۔''

''لیکن برخوردار! تم یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہے ہو؟ اور وہ بھی اس طرح کہ فرط غضب سے تمھارا چہرہ سرخ اور زبان لڑکھڑا رہی ہے۔ اصل ماجرا کیا ہے؟''

امام ابو یوسف عراقی نوجوان کی ظاہری حالت دیکھ کر اپنی حیرت کا اظہار کرنے لگے۔

''جب آپ میری نماز کی صحت پر گواہی دے رہے ہیں تو پھر ایک حجازی لونڈے کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ میرے طریقہ نماز پر اعتراض کرے۔'' نوجوان اسی طرح تند و تیز لہجے میں بولتا جا رہا تھا اور جوش گفتار میں اس نے دو بزرگ ہستیوں کی موجودگی کو بھی نظر انداز کر دیا تھا۔

''کون ہے وہ حجازی لڑکا؟'' امام محمد نے نوجوان کی تیز گفتاری سے چشم پوشی کرتے ہوئے انتہائی اطمینان سے پوچھا۔

''اندر مسجد میں ایک نوعمر حجازی مسافر بیٹھا ہے، وہ میری نماز میں اس طرح غلطیاں چھانٹ رہا تھا جیسے وہ عراقی علماء سے بھی زیادہ علم رکھتا ہے۔'' نوجوان جذبات کی رو میں اسی طرح بے تکان بولے جا رہا تھا۔

''میں نے اس حجازی لڑکے کو کہا بھی کہ جب امام محمد اور امام یوسف میری نماز کو درست قرار دیتے ہیں تو پھر تیرے اعتراض کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے لیکن وہ اپنی جہالت پر اڑا رہا۔''

''تمھیں قبل از وقت اس قدر برہم ہونے کی ضرورت نہیں۔'' ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دونوں بزرگ ہستیوں نے عراقی نوجوان اور حجازی لڑکے کے درمیان ہونے والی گفتگو کا کوئی تاثر قبول نہیں کیا تھا۔

امام محمد نہایت شگفتہ لہجے میں بولے۔

''پہلے اس لڑکے کا نقطہ نظر اور اس کے دلائل معلوم ہونا چاہئیں پھر اس کا اندازہ ہوگا کہ کون صحیح ہے۔'' نوجوان کے مشتعل جذبات سرد پڑ گئے۔ جب اس کے چہرے پر نفرت و غضب کے آثار ختم ہوئے اور اس کی گفتگو میں ٹھہراؤ آ گیا تو امام محمد نے نوجوان سے کہا۔

''جاؤ! اس لڑکے سے یہ پوچھ کر آؤ کہ نماز

میں داخل ہونے کا طریقہ کیا ہے؟"

نوجوان تیزی کے ساتھ مسجد کے اندر آیا اور محمد بن ادریس سے سوال کیا۔

"اے میری عبادت پر حرف گیری کرنے والے! مجھے بتا کہ تو نماز میں کس طرح داخل ہوتا ہے؟" عراقی نوجوان کے لہجے کی تیزی اس کی نفرت کو ظاہر کر رہی تھی۔

محمد بن ادریس نے نوجوان کی ترشروئی کے باوجود متانت و سنجیدگی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور نہایت اطمینان سے جواب دیا۔

"میں دو فرض اور ایک سنت کے ساتھ نماز میں داخل ہوتا ہوں۔"

نوجوان یہ جواب سن کر صاحبین (امام محمد و امام ابو یوسف) کی خدمت میں پہنچا اور یہ جواب ان کے گوش گزار کیا۔ جواب سن کر دونوں بزرگ خاموش ہو گئے۔ انھیں حجازی لڑکے کے جواب سے اندازہ ہو گیا کہ وہ کوئی عام لڑکا نہیں۔ یہ جواب کسی پڑھے لکھے آدمی کا ہی ہو سکتا ہے۔

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد امام ابو یوسف نے نوجوان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اس حجازی سے مزید دریافت کرو کہ وہ دونوں فرض کون سے ہیں اور سنت کیا ہے؟

عراقی نوجوان دوبارہ محمد بن ادریس کے پاس آیا اور اس نے پھر تلخ لہجے میں امام ابو یوسف کا سوال دہرا دیا۔ محمد بن ادریس چند لمحوں تک خاموش رہا۔ اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ عراقی نوجوان کا کسی عالم دین سے رابطہ قائم ہے اور وہ اس کے ذریعے سوال و جواب کے سلسلے کو طول دے رہا ہے۔

اب صورتحال واضح ہوتی جا رہی تھی۔ ایک اجنبی شہر میں ایک نوعمر غریب الوطن لڑکے کے لیے یہ بات کافی پریشان کن تھی لیکن اس نے بھرپور اعتماد کے ساتھ جواب دیا۔

"پہلا فرض نیت اور دوسرا تکبیر تحریمہ ہے اور سنت تکبیر کہتے وقت دونوں ہاتھوں کو اٹھانا ہے۔"

نوجوان نے محمد بن ادریس کا جواب سنا اور حسب معمول تیز رفتاری کے ساتھ مسجد سے باہر چلا گیا۔ صاحبین نے جواب سنا اور کچھ دیر کے لیے سوچ میں پڑ گئے۔ پھر یکایک کھڑے ہو گئے اور نوجوان کو مسجد میں چلنے کا اشارہ کیا۔ کچھ فاصلے پر کھڑے ہو کر اُنھوں نے حجازی لڑکے کو دیکھا۔ جب اُنھوں نے دیکھا کہ یہ نوعمر لڑکا ہے تو کوئی اہمیت نہ دی۔ پھر یہ حضرات مسجد میں ایک طرف بیٹھ گئے اور اُنھوں نے نوجوان کو حکم دیا۔

"اس لڑکے کو کہو کہ وہ ہمارے رُوبرو حاضر ہو۔"

نوجوان کو اپنی طرف آتے دیکھ کر محمد بن ادریس کو یقین ہو گیا کہ مذہب کے موضوع پر ایک سنجیدہ بحث ہو کر رہے گی۔ عراقی نوجوان نے

قریب آکر تحکمانہ انداز میں کہا۔

''چلو علماء کی خدمت میں! اُنھوں نے تمھیں طلب کیا ہے۔'' یہ پیغام سنتے ہی اس نے تاڑ لیا کہ امتحان کا وقت آگیا ہے۔ اس نے باوقار انداز میں عراقی نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے انتہائی متانت سے کہا۔

''مجھے تو تمھارے علماء سے ملنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ اُنھیں اگر ضرورت ہے تو وہ خود آکر مل لیں۔ پیاسے کنویں کے پاس آیا کرتے ہیں کنواں پیاسوں کے پاس چل کر نہیں جایا کرتا۔ علم کسی کی بارگاہ میں حاضر نہیں ہوتا۔''

عراقی نوجوان اس جواب کا تصور بھی نہ کرسکتا تھا۔ حجازی لڑکے کی یہ خود اعتمادی دیکھ کر عراقی نوجوان ایک بار پھر غضب ناک ہوگیا اور غصے کے عالم میں واپس چلا گیا۔ محمد بن ادریس کی آواز بلند تھی اس لیے صاحبین نے تمام باتیں سن لی تھیں۔ اس سے پہلے کہ عراقی نوجوان اُنھیں کچھ کہتا، دونوں بزرگ یہ کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

''اس نے سچ کہا ہمیں خود علم کے پاس جانا چاہئے تھا۔'' عراقی نوجوان کوفے کے دو بڑے ائمہ کے اس طرزِ عمل پر حیران ہو رہا تھا۔

صاحبین نے قریب پہنچ کر سلام کیا۔ محمد بن ادریس نے مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔ پھر دونوں بزرگ بیٹھ گئے اور محمد بن ادریس بھی نہایت ادب کے ساتھ ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

امام محمد نے گفتگو کا آغاز کیا۔

''کیا آپ حرم کے رہنے والے ہیں؟''

''جی ہاں! میں حرم کا باشندہ ہوں۔''

''آپ عرب ہیں یا عجم کی اولاد ہیں؟''

''میں عرب کی اولاد ہوں۔''

''کون عرب؟''

''مطلب کی اولاد سے ہوں۔''

''مطلب کی کسی اولاد سے؟''

''شافع رضی اللہ عنہ کی اولاد سے۔''

''کیا تم نے مالکؒ کو دیکھا ہے؟''

''جی ہاں! میں آٹھ نو مہینے ان کے پاس رہا ہوں اور اس وقت اُنہی کے پاس سے آرہا ہوں۔''

''کیا آپ نے امام مالکؒ کی کتاب موطا بھی دیکھی ہے؟''

''دیکھی ہی نہیں بلکہ پوری موطا اللہ کے فضل سے مجھے حفظ ہے۔''

اُنھیں اس بات کا یقین نہیں آیا۔ یہ سن کر امام محمد خاموش ہوگئے۔ ان کے چہرے کے تاثرات سے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ اُسی وقت اُنھوں نے کاغذ اور قلم منگوایا اور کاغذ پر کچھ سوالات لکھے اور ہر سوال کے بیچ میں جواب لکھنے کے لیے خالی جگہ چھوڑ دی اور کاغذ قلم محمد بن ادریس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

بقیہ صفحہ 85 پر

انگور کا گچھا

عمار حسین

میں انگور کا ایک گچھا تھا۔ جو ایک بیل کی شاخ سے طائف کے ایک مقام پر لٹکا ہوا تھا۔ میرا مالک ایک شخص تھا جس کا نام عتبہ بن ربیعہ تھا۔ شیبہ اس کا بھائی تھا۔

ایک دن میں نے دیکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف کے قبیلے بنی ثقیف کی طرف جا رہے ہیں۔ وہ اس خاموشی سے آ رہے تھے کہ کسی کو ان کی آمد کا علم نہ ہوا۔ وہ دراصل بنو ثقیف کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے آئے تھے۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال تھا کہ بنو ثقیف قریش کی نسبت کم تعصب والے ہوں گے اور زیادہ ذی عقل ہوں گے۔

جب میں وجود میں آیا تو میری شکل کچے دانوں کی طرح تھی۔ اس وقت سے مکہ کی جانب سے آنے والے راہ گیروں سے جو میری بیل کی چھاؤں میں آرام کی خاطر بیٹھا کرتے تھے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بہت سی باتیں سنتا آیا تھا۔

ان ہی لوگوں کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ عورتوں میں سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ خدیجتہ الکبری اور مردوں میں حضرت ابوبکر صدیق اور بچوں میں حضرت علی آپ ﷺ کے چچازاد بھائی آپ پر ایمان لائے تھے۔

مجھے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ جو لوگ آپ پر ایمان لائے، ان کی تعداد بہت کم ہے اور قریش کے زیادہ لوگ آپ کو جھٹلا رہے ہیں اور آپ ﷺ کا مذاق اڑاتے ہیں۔

آپ ﷺ کا راستہ روکتے ہیں۔ آپ ﷺ کو تخت و تاج اور مال و دولت کا لالچ دے کر دعوت اسلام سے روکنا چاہتے ہیں اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ ﷺ ان بتوں کے خلاف تبلیغ کرنا چھوڑ دیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔

ایک دن میں نے ایک مسافر سے جو میری

بیل کے سائے تلے بیٹھا تھا سنا کہ جب قریش کے سردار آپ ﷺ کے چچا حضرت ابو طالب کے ساتھ آپ کے پاس یہ مطالبہ لے کر گئے کہ آپ ﷺ جتنا چاہیں مال و دولت لے لیں مگر اسلام کی دعوت دینا چھوڑ دیں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اے میرے چچا اگر اہل قریش میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاندی رکھ دیں کہ میں دین اسلام کی تبلیغ سے باز آجاؤں پھر بھی میں ایسا کروں گا حتی کہ دین اسلام ہر چیز پر غالب آجائے اور اسلام کے خلاف تمام قوتیں ختم ہو جائیں۔

اسی طرح ایک دن اپنے ہی مالک عتبہ کی زبانی بھی میں نے سنا کہ قریش نے اس کے ذریعے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیغام بھجوایا کہ قریش اس بات پر تیار ہیں کہ وہ آپ ﷺ کو اتنا مال و دولت دیں کہ آپ سب سے زیادہ دولت مند ہو جائیں، آپ کو سردار مان لیں اور صرف آپ ہی کی رائے پر عمل کریں۔

آپ کو بادشاہ بنا کر تخت پر بٹھا دیں اور اگر یہ سب کچھ بیماری ہے یعنی وحی کا آنا تو وہ بڑے سے بڑے حکیم سے آپ کا علاج کرائیں گے۔ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے عتبہ کی باتوں کو بڑے تحمل سے سنا اور پھر جواب میں قرآن کریم کی آیت پڑھی جس کا مفہوم ہے۔

”اسے بھی کہہ دیجئے کہ میں تم ہی جیسا ایک انسان ہوں ماسوائے اس کے کہ مجھ پر اس خدائے واحد کی طرف سے جو تمھارا اور میرا رب ہے وحی کی صورت میں پیغام آتا ہے۔“

عتبہ رسول اکرم ﷺ کا یہ جواب سن کر اہل قریش کی طرف واپس ہوا اور ان سے کہا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے ایسا کلام سنا ہے جو شاعری ہے نہ جھوٹ۔

اس نے قریش کو یہ مشورہ دیا کہ وہ رسول اکرم ﷺ کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ اس کا کہنا تھا کہ محمد ﷺ قریش کے درمیان بچپن سے ہیں، ان کا اخلاق بہت بلند ہے، ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ امانت کا پاس رکھتے ہیں اور جب وہ قریش کے پاس دین کا پیغام لے کر آئے تو انھیں جھٹلایا گیا، جادوگر کہا گیا۔

قریش کا مال اور حکومت کا لالچ دینا بھی رسول اکرم ﷺ پر کوئی اثر نہ کرسکا۔ وہ برابر ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے رہے۔

ادھر آپ ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والوں پر اور زیادہ سختیاں کرنے لگے۔ جب قریش مکہ کی تمام چالیں ناکام ہوگئیں تو انہوں نے آپ ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والوں کے ساتھ مکمل طور پر بات چیت اور لین دین ختم کر دیا اور کعبہ کے دروازے پر ایک تحریر لٹکا دی جس میں قریشی کا یہ فیصلہ درج تھا کہ:

مسلمانوں سے نہ کوئی ملے جلے اور نہ کوئی بات

کرے۔ مسلمانوں کے ساتھ ہر قسم کی خرید و فروخت بند کر دی جائے۔ مسلمانوں کے ہاں کوئی رشتہ نہ کیا جائے اور مسلمانوں سے ہر قسم کا لین دین اور تعلق ختم کر دیا جائے۔

قریش کے اس فیصلہ کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے چچا ابو طالب دیگر اہل خانہ کے ساتھ ایک گھاٹی میں چلے گئے جہاں پر انھوں نے بڑی تکلیف میں بہت صبر و شکر کے ساتھ تین سال گزارے۔

حضرت خدیجہ نے خاص طور پر اپنی تمام دولت مسلمانوں پر صرف کرنا شروع کر دی مسلمانوں کی حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ بچے دودھ نہ ملنے کی وجہ سے چیختے و بلک بلک کر روتے اور مسلمان درختوں کے پتے وغیرہ کھا کر بھوک کو مٹاتے تھے۔

اسی دوران اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دی کہ دیمک نے قریش کے فیصلہ کے اس حصے کو چاٹ لیا ہے جس میں مسلمانوں سے مکمل طور پر قطع تعلق کے لئے کہا گیا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کو یہ بات بتائی۔ جنہوں نے قریش کے سرداروں کو بلایا اور ان سے کہا کہ میرے بھتیجے جس نے آج تک جھوٹ نہیں بولا، نے مجھے یہ اطلاع دی ہے۔

اگر میرا بھتیجا سچا ہے تو تم لوگ ظلم کرنے سے باز آجاؤ، اگر وہ جھوٹا ہے تو میں اسے تمہارے حوالے کر دوں گا۔ پھر تمھیں اختیار ہے کہ جو چاہو سو اس کے ساتھ سلوک کرو۔

قریش کے سرداروں نے خانہ کعبہ میں لٹکی ہوئی تحریر کو کھول کر دیکھا تو واقعی اس کے اس حصہ کو دیمک چاٹ گئی تھی جس میں مسلمانوں سے مکمل قطع تعلق کا ذکر تھا۔

قریش کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی کا اس لئے زیادہ یقین ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین سال سے اس گھاٹی میں مقیم تھے اور خانہ کعبہ میں داخل نہ ہوئے تھے۔

آخر کار قریشی کے پانچ بڑے سرداروں نے اعلان کیا کہ اس فیصلہ کو نہیں مانتے انھوں نے اس دستاویز کو پھاڑ دیا اور مسلمانوں کا بائیکاٹ ختم ہوگیا لیکن کافر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو تکلیف پہنچانے سے باز نہ آئے۔

دراصل آپ کے چچا ابوطالب اور زوجہ حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد انھوں نے مسلمانوں پر اور ظلم کرنا شروع کر دیا۔

مثلا ایک دفعہ کسی کافر نے جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ کی حالت میں تھے آپ کی پیٹھ پر اونٹ کی اوجھڑی رکھ دی اور اس ناپاک کام پر وہ اور اس کے ساتھی خوب ہنسے۔

ایک دفعہ ایک کافر نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گلے میں چادر ڈال کر اس زور سے کھینچا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دم گھٹنے لگا۔

یہ اور اس کے علاوہ دیگر خبریں مجھ تک ان لوگوں کی زبانی پہنچتی رہیں جو مکہ سے واپسی پر میری بیل کے سائے میں آرام کرنے بیٹھ جایا کرتے تھے۔

ان تکلیف دہ خبروں سے مجھے بہت رنج ہوتا اور میں دل ہی دل میں تمنا کرتا کہ کاش میں اپنی زندگی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھوں۔ مجھے یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں کافر مجھے توڑ کر نہ لے جائیں اور پھر مجھ سے شراب نکال کر نہ پیئیں اور مدہوشی کے عالم میں مسلمانوں پر اور ظلم نہ کریں۔

میں ہر وقت رسول اکرم ﷺ سے ملاقات کی تمنا اپنے دل میں رکھتا تھا۔ آخر کار اللہ نے میری خواہش کو حقیقت بنا دیا۔ جب رسول اکرم ﷺ خود ہی میرے پاس تشریف لے آئے۔

رسول اکرم ﷺ کو دیکھ کر مجھے جتنی خوشی ہوئی اتنا ہی مجھے آپ ﷺ کا حال دیکھ کر رنج ہوا۔ قریب تھا کہ میں چیخ چیخ کر رونے لگتا۔

بات یوں ہوئی کہ رسول کریم ﷺ طائف کے قبیلہ ثقیف کے سرداروں کے پاس گئے اور انھیں دعوت دی کہ وہ اللہ، اس کے رسول اور اس کی کتاب پر ایمان لے آئیں۔

انھوں نے نہ صرف ایمان لانے سے انکار کیا بلکہ آپ کو برا بھلا کہا اور جب آپ ﷺ واپس ہو رہے تھے تو آپ ﷺ کے پیچھے ناسمجھ بچے اور کچھ احمق لوگوں کو لگا دیا جو آپ ﷺ کو نعوذ باللہ گالیاں دے رہے تھے۔ آپ ﷺ کا مذاق اڑا رہے تھے۔ آپ ﷺ کو پتھروں سے مارتے اور جب آپ ﷺ ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرتے تو وہ آپ ﷺ کا راستہ روک لیتے۔ آخر کار آپ ﷺ ان اوباشوں سے بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

آپ ﷺ کے جسم سے خون بہہ رہا تھا۔ آپ ﷺ سخت تھکے ماندے تھے۔ آپ ﷺ آرام کے لئے اس بیل کے سائے تلے بیٹھے جس پر میں لٹکا ہوا تھا۔

میں نے آپ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔

''اے میرے خدا! میں اپنی کمزوری کم سامانی اور کم تدبیری کی تجھ ہی سے شکایت کرتا ہوں۔ اے میرا اللہ! اسے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے تو ہی کمزوروں کا پروردگار ہے تو مجھے جس کے چاہے حوالے کر دے۔ اگر تیرا غضب مجھ پر نازل نہ ہو تو پھر مجھے کسی مصیبت کی پرواہ نہیں۔ تو ہی کریم ہے۔

میں تجھ سے محض تیری رضا کا طالب ہوں۔''

عتبہ اور اس کا بھائی شیبہ قریب ہی بیٹھے رسول اکرم ﷺ کی یہ دعائیں سن رہے تھے۔

اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ عتبہ کا غلام جس کا نام عداس تھا اپنے مالک کے حکم سے آگے بڑھا۔ بیل سے مجھے توڑا اور ایک طباق میں مجھے رکھ کر رسول اکرم ﷺ کو جا کر پیش کر دیا۔

میں بے حد خوش ہوا۔ خاص طور پر اس وقت جب رسول اکرم ﷺ نے بسم اللہ کہہ کر اپنا مبارک ہاتھ میری طرف بڑھایا۔ میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔

رسول اکرم ﷺ کی زبان سے بسم اللہ سن کر عداس حیران ہو کر کہنے لگا کہ ایسا کلمہ اس نے پہلے کسی سے نہیں سنا۔

شہر طائف والے ایسا کلمہ نہیں بولتے۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے عداس سے پوچھا کہ وہ کسی شہر کا رہنے والا ہے۔

عداس نے جواب دیا کہ میں نینوا (عراق) کا رہنے والا ہوں۔ رسول اکرم ﷺ نے کہا کہ اس شہر سے میں سے ایک بہت بزرگ ہستی گزرے ہیں جن کا نام یونس تھا۔

اس نے پوچھا، آپ کو یونس علیہ السلام کا کیسے علم ہوا؟ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے جواب دیا کہ وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔

یہ سنتے ہی عداس ادب کے طور پر آپ ﷺ کے آگے جھکا اور آپ ﷺ کے سر مبارک اور ہاتھوں کو بوسہ دینا شروع کر دیا۔

عداس زور زور سے کہہ رہا تھا کہ ہاں آپ ﷺ نبی ہیں۔ نبی کے علاوہ اللہ کے راستے میں کوئی اور شخص اتنی تکلیفیں برداشت نہیں کرتا۔

یہ سب عداس بے خودی میں کہہ رہا تھا۔ میرے دانے پیارے نبی ﷺ کی انگلیوں کے لمس کی خوشبو سے خوشی سے ناچ رہے تھے۔

میں دنیا کی تاریخ کا سب سے خوش نصیب انگوروں کا خوشہ ہوں کیونکہ میں پیارے نبی ﷺ کی خوراک اس وقت بنا جب آپ ﷺ بہت تکلیف میں تھے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے عداس کو آپ ﷺ پر ایمان لاتے دیکھا اور یہ میرا بہت بڑا اعزاز ہے۔

☆......☆......☆

کوپن برائے "وہ کون تھا؟"

نام: ....

ولدیت: ....

مکمل ایڈریس: ....

تعلیم: ....

جواب: ....

ہدایات: (انعام بذریعہ قرعہ اندازی دیا جائے گا اور ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا اور جواب بغیر کوپن کے قبول نہیں کیا جائے گا)

تحصیل علم......ایک انوکھا واقعہ

رابعہ عمیر



ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک اندلسی عالم نے اندلس سے مشرق تک کا سفر پیدل کیا تا کہ کسی امام سے ملاقات کر کے اس سے علم حاصل کریں۔ لیکن جب وہ اس کے پاس پہنچ گئے تو وہ قید میں تھے اور لوگوں کے ساتھ میل جول سے ان کو منع کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے اس طرح حیلہ اختیار کر کے اس عالم سے ملاقات کی اور ان سے علم حاصل کیا کہ اگر یہ وقوع پذیر نہ ہوتا تو دل میں اس طرح کے حیلہ کا خیال بھی نہ گزر سکتا تھا۔

تاریخ عجائب وغرائب کا مجموعہ ہوتا ہے۔ یہ عالم امام بقی الدین بن مخلد اندلسی تھے ۔آپ نے بغداد کا سفر پیادہ پا کیا، اس سفر کا سب سے اہم مقصد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ملاقات کر کے علم حاصل کرنا تھا۔

فرماتے ہیں کہ جب میں بغداد کے قریب پہنچا تو مجھے امام احمد کے ابتلاء اور آزمائش کا علم ہوا اور یہ کہ آپ کو اجتماع سے منع کیا گیا ہے اور آپ سے سماع کی بھی ممانعت ہے، میں اس خبر سے سخت غمگین ہو گیا، ایک ہوٹل میں جگہ کرایہ پر حاصل کر کے سامان رکھ کر میں کسی دوسری طرف نہ جاسکا بلکہ سیدھا مسجد جامع الکبیر آ گیا۔ میں حلقات میں بیٹھ کر ان کے علمی مذاکرے دیکھنا چاہتا تھا،

میں ایک بڑے حلقے تک پہنچا وہاں ایک صاحب رجال پر بحث کر رہے تھے۔کسی کو ضعیف اور کسی کو قوی بتلا رہے تھے۔

میں نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے صاحب سے پوچھا کہ یہ کون ہیں تو انہوں نے کہا کہ یحییٰ بن معین ہیں۔میں کھڑا ہو گیا اور میں نے کہا، اے ابوزکریا! اللہ آپ پر رحم فرمائے۔میں ایک اجنبی دور دراز کا رہنے والا ہوں۔میں آپ سے ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں، آپ مجھے ہلکا نہ سمجھیں۔انہوں نے مجھے کہا کہ آپ اپنا سوال کیجئے! میں نے بعض اہل حدیث جن سے میں نے ملاقات کی تھی کا تذکرہ کیا انہوں نے بعض کا تزکیہ کیا اور بعض پر جرح کی۔

میں نے ان سے سوال کے آخر میں ہشام بن عمار کے بارے میں پوچھا۔میں نے ان سے بہت علم حاصل کیا تھا، انہوں نے کہا کہ ابو الولید عمار بن ہشام تو ثقہ ہیں اور ثقات سے بھی زیادہ ثقہ ہیں۔اگر اس کی چادر کے نیچے تکبر ہو یا اس نے تکبر کا قلادہ پہنا تو تب بھی اس کو اس کے خیر و فضل کی وجہ سے کوئی نقصان نہیں۔اس کے بعد اہل حلقہ نے آواز لگائی کہ اللہ آپ پر رحم فرمائے۔بس آپ کے لئے اتنا کافی ہے اور کسی کو بھی سوال کا موقعہ دیجئے۔

میں نے کھڑے کھڑے ان کو کہا کہ بس ایک شخص امام احمد بن حنبل پر کچھ تبصرہ کر دیجئے تو امام یحییٰ بن معین نے مجھ کو متعجب اور حیران کن نظروں سے دیکھ اور فرمایا، ہمارے جیسے لوگ امام احمد بن حنبل پر کیا تبصرہ کر سکتے ہیں؟ وہ تو امام المسلمین سب سے اعلیٰ اور افضل ہیں۔

پھر میں نے وہاں سے نکل کر امام احمد بن حنبل کے گھر کا راستہ پوچھنا شروع کر دیا۔مجھے ان کے گھر کا راستہ بتا دیا گیا، میں نے ان کا دروازہ کھٹکھٹایا وہ باہر تشریف لائے دروازہ کھولا تو ان کی نظر ایک ایسے شخص پر پڑی جس کو وہ پہچانتے نہ تھے۔میں نے ان کو عرض کی، ابو عبداللہ میں ایک پردیسی ہوں اور اس شہر میں میری پہلی آمد ہے اور حدیث کا طالب علم اور سنت کو جمع کرنے والا ہوں اور میرے سفر کا مقصد آپ تک ہی پہنچنے کا تھا۔انہوں نے فرمایا کہ ”اسطوان“ یعنی اندر کے راستے کی طرف آجاؤ لیکن خیال رکھیں آپ کو کوئی دیکھ نہ لے۔

امام احمد بن حنبل نے مجھ کو کہا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے کہا کہ مغرب اقصیٰ کا انہوں نے کہا کہ افریقہ کے رہنے والے ہو۔میں نے کہا، افریقہ سے بہت دور ہوں۔میں اپنے ملک سے افریقہ کے لئے سمندر پار کر کے آتا ہوں۔میں اندلس کا ہوں۔امام صاحب نے فرمایا تمہاری جگہ واقعی دور ہے مجھے سب سے زیادہ پسند یہی بات ہے کہ میں تمہارے جیسے آدمی کے مطلب میں اس کی اعانت کروں۔لیکن میں ابتلاء میں

ہوں جس کا حال شاید آپ کو معلوم ہو چکا ہوگا۔ میں نے جواب میں عرض کیا کہ آپ کی ابتلاء کا علم مجھ کو اس وقت ہوا جب آپ کے قصد سے میں آپ کے شہر کے قریب پہنچ چکا تھا۔

پھر میں نے عرض کی، ابو عبداللہ اس شہر میں یہ میری پہلی آمد ہے اور مجھ کو یہاں کوئی نہیں جانتا، اگر آپ اجازت دیں تو روزانہ آپ کے دروازے پر مانگنے والے سائل کی طرح آیا کروں اور سائلوں کی طرح صدا لگاؤں اور آپ اس جگہ تک تشریف لے آئیں۔ اگر آپ مجھ کو روزانہ ایک حدیث بھی سنا دیں تو میرے لئے کافی ہے۔ انہوں نے فرمایا ٹھیک ہے لیکن اس شرط پر کہ تم کسی علمی حلقہ میں اس کا تذکرہ نہیں کرو گے اور نہ ہی اہل علم اصحاب حدیث میں اس کا تذکرہ کرو گے۔ میں نے کہا، آپ کی شرط منظور ہے۔

میں ہاتھ میں لاٹھی لیتا اور سر پر سائلوں کی طرح کپڑا باندھتا، کاغذ اور دوات تھیلے میں ڈالتا امام احمد کے دروازے پر آ کر صدا لگاتا، اجرکم علی اللہ تمہارا اجر و ثواب اللہ کے ذمہ ہے وہاں مانگنے کے لئے یہ صدا لگائی جاتی تھی۔ امام صاحب باہر تشریف لاتے، گھر کا دروازہ بند کر لیتے اور مجھ کو دو یا تین یا اس سے زیادہ حدیثیں سناتے یہاں تک کہ میں نے تین سو احادیث جمع کر لیں، میں پابندی سے آتا رہا، اسی اثنا میں آپ کو آزمائش میں مبتلاء کرنے والا مر گیا۔

اس کے بعد جو بادشاہ آیا اس کا تعلق اہل سنت سے تھا۔ اس نے امام احمد کی پابندی ختم کی، آپ کا تذکرہ بلند ہوا، لوگوں کی نظروں میں آپ کو بہت عظمت حاصل ہوئی۔

آپ کی امامت کے چرچے بلند ہو گئے، لوگ دور دراز سے سفر کر کے آپ کے پاس آنے لگے، میرے صبر و استقامت کو امام صاحب قدر کی نظر سے دیکھتے تھے۔ میں جب بھی آپ کے حلقہ درس میں آتا تو آپ حلقہ میں کشادگی کروا کر مجھ کو اپنے قریب بٹھا دیتے، پھر اصحاب حدیث کو فرماتے کہ اس پر طالب علم کا نام صحیح طریقے پر صادق آتا ہے اور جو واقعہ مجھے کو پیش آیا طالب علموں کے سامنے بیان فرماتے۔ لکھی ہوئی احادیث کا مجموعہ مجھ کو عطا فرماتے۔ کبھی مجھ کو پڑھ کر سناتے اور کبھی میں آپ کو پڑھ کر سناتا۔

اسی اثنا میں، میں بیمار ہو گیا اتنا شدید بیمار کہ قریب المرگ ہو گیا۔ انہوں نے مجھے کو اپنی مجلس سے غیر حاضر پایا تو میرے بارے میں پوچھا جب میری بیماری کا ان کو علم ہوا تو فوراً اپنی مجلس سے اہل علم کے ساتھ میری عیادت کو چل پڑے۔

میں نے جو کمرہ کرایہ پر حاصل کیا تھا میں وہاں اس حالت میں لیٹا ہوا تھا کہ میرا نمدہ نیچے چادر اوپر اور کتابیں سرہانے پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے سنا اور سرائے کے لوگوں کی آواز گونج اٹھی، وہ کہہ رہے تھے، یہ ہیں وہ دیکھو امام المسلمین

تشریف لا رہے ہیں۔ سرائے کا مالک جلدی سے میری طرف آیا اور کہا ابوعبدالرحمان دیکھو! یہ ابوعبداللہ احمد بن حنبل امام المسلمین تمہاری عیادت کے لئے تشریف لارہے ہیں۔

امام صاحب داخل ہوئے اور میرے سرہانے تشریف فرما ہو گئے۔ میرا کمرہ ان کے شاگردوں سے بھر چکا تھا، اس میں مزید گنجائش نہ تھی، کچھ دوسرے اطراف میں پھیل کر کھڑے ہو گئے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں قلم تھا۔ امام صاحب نے میرے لئے یہ کلمات ارشاد فرمائے:

”اے ابوعبدالرحمن! تم کو اللہ کی طرف سے ثواب کی بشارت ہو اور صحت کے ایسے ایام کی جن میں بیماری نہ ہو۔ بیماری کے ان ایام میں جن میں صحت نہیں اللہ تمہیں عافیت کی طرف بلند کر دے اور اپنی شفا والا داہنا ہاتھ تم پر پھیر دے“

میں نے دیکھا کہ تمام لوگوں کی قلمیں ان کے کلمات تحریر کر رہی تھیں۔ ایام صحت اور ایام مرض سے امام کی یہ مراد ہے کہ صحت کے ایسے دن کہ جن میں مرض کا دل میں خیال بھی نہ ہو ان میں انسان کے عزائم قوی ہوتے ہیں۔ امیدیں زیادہ ہوتی ہیں اور انسان جب بیماری کو اپنے سے دور دیکھتا ہے تو اس کی سرکشی میں اضافہ ہو جاتا ہے اور سخت بیماری میں صحت کی طرف خیال نہیں جاتا تو امیدوں کا ضعف اور کمزوری انسان پر ڈیرے ڈال دیتی ہے۔ جب صحت کا لباس انسان سے اتر جاتا ہے تو انسان کی ہمت ٹوٹ جاتی ہے اور نا امیدی کی اس پر حکمرانی ہوتی ہے۔

امام صاحب کے اس قول میں اللہ کریم کے اس ارشاد کی طرف اشارہ ہے۔

(ترجمہ)”اور اگر چکھا دیں ہم انسان کو اپنی طرف سے رحمت پھر وہ چھین لیں اس سے تو وہ نا امید ناشکرا ہوتا ہے اور اگر ہم چکھا دیں اس کو آرام بعد تکلیف کے جو پہنچی تھی اس کو تو بول اٹھے دور ہوئی برائی مجھ سے وہ اترانے والے شیخی خورا ہے مگر وہ لوگ جو صابر ہیں اور نیکیاں کرتے ہیں ان کے واسطے بخشش ہے اور ثواب بڑا۔“

اس کے بعد امام صاحب تشریف لے گئے، پھر سرائے والے لوگ آ گئے۔ وہ میرے ساتھ بہت مہربانی اور نرمی کرنے لگے۔ دیانتداری اور ثواب کی نیت سے میری خدمت کرنے لگے۔ ان میں کوئی تو میرے لئے اچھا سا بچھونا کوئی اچھا لحاف اور کوئی اچھی غذا لاتا۔ انہوں نے میری عیادت میرے گھر والوں سے زیادہ کی اگر میں اپنے گھر ہوتا۔ ان کا یہ اچھا سلوک میرے ساتھ ایک صالح شخص کا میری عیادت کے لئے آنے کی وجہ سے ہوا۔

بقیی بن مخلد رحمہ اللہ ۲۷۶ھ اندلس میں فوت ہوئے۔

☆......☆......☆

☆......☆......☆



دانیال حسن چغتائی

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا

پیارے مسلمان بچو! ہم بردباری اور سعادت کی پیکر عظیم المرتبت اس خاتون کے حالات زندگی جانیں گے۔

یہ سیدہ اور عالمہ فاضلہ عظیم المرتبت خاتون وہ ہے کہ جس کے بابرکت دودھ سے پوری دنیا میں سب سے پاکیزہ جسم نے پرورش پائی اور وہ جسم اطہر حبیب کبریا سیدنا محمد مصطفی ﷺ کا تھا۔

اس عظیم المرتبت خاتون کے پاس ایک سعادت مند، ہونہار، اعلی وارفع اور اکمل وسیدنا محمد مصطفی ﷺ بچپن میں دودھ پینے کے زمانے میں گئے اور ان کی شفقت بھری گود میں پروان چڑھے۔ رسول اللہ ﷺ اس جلیل القدر خاتون اور اس کی قوم بنو سعد کی فصاحت و بلاغت سے سیراب ہوئے۔

عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کہتے ہیں کہ سیدہ حلیمہ بنت ابوذویب سیدنا محمد ﷺ کی رضاعی والدہ تھیں، وہ یہ داستان بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ میں اپنے خاوند کے ساتھ دودھ پیتے اپنے بیٹے کو لے کر بنو سعد بن بکر کی دیگر خواتین کے ہمراہ روانہ ہوئی، قحط سالی کا دور تھا۔ ہمارے پاس کوئی چیز باقی نہیں رہی تھی۔ ہمارے پاس ایک عمر رسیدہ کمزوری اونٹنی تھی۔ اللہ کی قسم! وہ دودھ کا ایک قطرہ بھی نہیں دیتی تھی جسے نوش جان کر سکیں۔ ہم بھوک سے بلبلانے کی بنا پر رات کو سو نہیں سکتے تھے۔ اونٹنی دودھ نہ دیتی تھی کہ جسے غذا کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔ لیکن ہم بارش کی امید رکھتے تھے۔

میں اپنی گدھی پر سوار ہو کر روانہ ہوئی، میں قافلے کے ساتھ آہستہ رفتار سے چل رہی تھی۔ یہ صورت حال قافلے والوں کے لیے ناگوار تھی، لیکن کمزوری اور خشک سالی کی بنا پر اس سے زیادہ رفتار سے چلنا بھی مشکل تھا۔

بہر حال! ہم دھیرے دھیرے چلتے ہوئے مکہ معظمہ پہنچ گئے اور وہاں پہنچ کر دودھ پینے والے بچوں کو تلاش کرنے لگے۔ ہم میں سے ہر ایک عورت پر رسول اللہ ﷺ پیش کیے گئے، اور

جب ہر ایک کو یہ بتایا گیا کہ یہ نونہال یتیم ہے، تو ہر عورت نے آپ ﷺ کو اپنی گود میں لینے سے انکار کر دیا کیونکہ ہم گود لینے والے بچے کے باپ سے مالی تعاون کی امید رکھا کرتی تھیں۔

ہم یہ کہتی تھیں کہ بچہ یتیم ہے، اس کی ماں اور دادا ہمیں کیا دیں گے؟ اس لیے ہم اسے اپنی گود میں لینا نہیں چاہتی تھیں، میرے ساتھ جتنی عورتیں بھی آئی تھیں سب نے ایک ایک بچہ حاصل کر لیا لیکن میں خالی گود رہ گئی۔ جب واپسی کے لیے اکٹھے ہوئے تو میں نے اپنے خاوند سے کہا، اللہ کی قسم! مجھے یہ ناپسند ہے کہ میں کسی دودھ پینے والے بچے کو گود لیے بغیر اپنی سہیلیوں کے ساتھ واپس ہو جاؤں۔ اللہ کی قسم! میں اس یتیم بچے کے پاس ضرور جاؤں گی تاکہ اسے حاصل کر سکوں۔

میرے خاوند نے کہا، ٹھیک ہے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے اس میں برکت کر دے۔

سیدہ حلیمہ سعدیہ کہتی ہیں کہ میں گئی اور اسے حاصل کر لیا۔ میں نے اسے اس لیے اپنی گود میں لیا کہ مجھے اس کے علاوہ کوئی بچہ نہیں ملا تھا۔ جب میں سیدنا محمد ﷺ کو حاصل کر کے اپنی سواری کی طرف واپس آئی اور اسے اپنی گود میں بٹھایا تو میرا خاوند اونٹنی کے پاس گیا، وہ یہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گیا کہ اس کے تھن بھی دودھ سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس نے دودھ دھویا، خود بھی سیر ہو کر پیا اور میں نے بھی خوب پیا اور اس رات آرام کی نیند سوئے۔

سیدہ حلیمہ سعدیہ بیان کرتی ہیں کہ صبح کے وقت میرا خاوند کہنے لگا، حلیمہ! اللہ کی قسم! آپ نے تو مبارک روح حاصل کر لی ہے۔ میں نے کہا، اللہ کی قسم! میں بھی یہی امید رکھتی ہوں۔

سیدہ حلیمہ سعدیہ کہتی ہیں کہ میں اس برکتوں والے نونہال کو گود میں لے کر اپنی گدھی پر سوار ہوئی اور ہم واپس سفر پر روانہ ہوئے، اللہ کی قسم! میں قافلے کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل گئی، میری سب سہیلیوں کی سواریاں پیچھے رہ گئیں، میری سہیلیاں مجھ سے کہنے لگیں: ابوذویب کی بیٹی! ذرا آہستہ چل، کیا تیری یہ گدھی وہی نہیں جس پر سوار ہو کر تو گھر سے نکلی تھی؟ میں نے ان سے کہا: بالکل وہی ہے۔ وہ کہنے لگیں: اس کی تو شان ہی نرالی ہے۔

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پھر ہم بنو سعد کے علاقے میں واقع اپنے گھروں میں آگئے، بنو سعد کہ جن کے علاقے میں خشک سالی کا راج تھا، میری بکریاں گھاس چرنے کے لیے جاتیں تو خوب سیر ہو کر واپس آتیں اور ان کے تھن بھی دودھ سے بھرے ہوئے ہوتے۔ ہم بکریوں کا دودھ دھوتے اور خوب سیر ہو کر پیتے جبکہ دوسروں کی بکریوں کے تھنوں میں دودھ کا قطرہ بھی نہ ہوتا۔

ہماری قوم کے لوگ اپنے چرواہوں سے کہنے لگے: ارے تم بھی اپنی بکریوں کو گھاس چرانے کے لیے وہاں لے جایا کرو، جہاں ابو

ذویب کی بیٹی کا چرواہا لے کر جاتا ہے۔

صورت حال یہ تھی کہ ان کی بکریاں بھوکی رہتیں اور ان کے تھنوں میں دودھ کا ایک قطرہ بھی نہ ہوتا اور میری بکریوں کے تھن دودھ سے لبالب بھرے ہوئے ہوتے۔ ہم جان گئے کہ یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ہم پر فضل و کرم ہوا ہے، یہ سب اس کی نوازشات وعنایات ہیں۔ دو سال اس خوشحالی میں بیت گئے، سیدنا محمد ﷺ دوسرے لڑکوں کی نسبت بڑی تیزی سے قد کاٹھ کرنے لگے، دو سال کی عمر میں وہ دیکھنے میں اچھے خاصے معلوم ہو رہے تھے۔

سیدہ حلیمہ سعدیہ بیان کرتی ہیں: دو سال پورے ہونے پر ہم انہیں لے کر اس کی والدہ کے پاس گئے۔ ہماری دلی خواہش تھی کہ یہ برکتوں والا نونہال ابھی ہمارے پاس رہے، کیونکہ ہم جا بجا اس کی برکات دیکھ رہے تھے۔ ہم نے اس کی والدہ ماجدہ سے بات کی، میں نے کہا: اس بچے کو ابھی ہمارے پاس رہنے دیں تا کہ یہ مزید قوی ہو جائے مجھے اندیشہ ہے کہ مکہ معظمہ کی آب و ہوا اس کی صحت پر کچھ اچھا اثر نہیں ڈالے گی۔ میں مسلسل اسے اپنے پاس رکھنے پر اصرار کرتی رہی، یہاں تک کہ وہ مان گئیں اور ہمارے ساتھ بھیج دیا۔

سیدہ حلیمہ سعدیہ بیان کرتی ہیں کہ ہم برکتوں والے ذی شان نونہال کو لے کر واپس آگئے، چند مہینے کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ وہ اور اس کا رضاعی بھائی عبداللہ بن الحارث ہمارے گھروں کے پیچھے بکریاں چرانے کے لیے گئے، ہم کیا دیکھتے ہیں کہ اچانک میرا بیٹا دوڑتا ہوا آیا اور مجھے اور اپنے ابا جان سے کہنے لگا: امی ابو غضب ہو گیا، میرے قریشی بھائی کے پاس دو آدمی آئے انھوں نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے، انھوں نے اسے پکڑ کر لٹا لیا پھر اس کا پیٹ چاک کر دیا۔

سیدہ حلیمہ سعدیہ کہتی ہیں کہ ہم یہ خبر سن کر بھاگے بھاگے اس کے پاس پہنچے تو وہ کھڑا تھا لیکن اس کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ میں اور میرے خاوند نے اسے گلے لگایا اور اس سے پوچھا: ”بیٹے کیا ہوا؟“ اس نے بتایا: ''میرے پاس دو آدمی آئے تھے انھوں نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے، انھوں نے مجھے لٹا کر میرا پیٹ چاک کیا اور پیٹ سے کچھ تلاش کیا، مجھے معلوم نہیں وہ کیا چیز تھی۔

سیدہ حلیمہ سعدیہ کہتی ہیں کہ ہم اسے لے کر اپنے خیمے میں آگئے۔ پھر میرے خاوند نے مجھ سے کہا: '' حلیمہ! مجھے تو یہ اندیشہ لاحق ہو گیا ہے کہ اس نونہال پر آسیب کا اثر ہو گیا ہے، یہ بیماری ظاہر ہونے سے پہلے اسے اس کے گھر والوں کے سپرد کر دیں۔ فرماتی ہیں کہ ہم اسے لے کر اس کی والدہ ماجدہ کے پاس مکہ معظمہ پہنچ گئے، والدہ نے دیکھتے ہی کہا: حلیمہ اتنی جلدی واپس بھی لے آئی، آپ تو بڑا اصرار کر کے اسے اپنے ساتھ لے گئی تھیں اور ابھی اسے اپنے پاس رکھنے کا تجھے

بہت شوق تھا۔" میں نے کہا کہ اب آپ کا بیٹا بڑا ہوگیا ہے، میں نے اپنی ذمے داری پوری کر دی ہے، اب یہ آپ کی امانت ہے لہٰذا آپ کے سپرد کرنے آئی ہوں مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں کوئی حادثہ نہ پیش آجائے اور مجھے لینے کے دینے پڑ جائیں۔

اس نے کہا: سچ سچ بتائیں کیا ماجرا ہے؟ میں نے سارا واقعہ سنا دیا۔

انہوں نے کہا: کیا تجھے یہ اندیشہ لاحق ہوگیا کہ میرے بیٹے پر کسی جن کا سایہ پڑ گیا ہے؟

میں نے کہا: مجھے یہی اندیشہ ہے۔

اس نے کہا: اللہ کی قسم! میرا بیٹا بڑی شان والا ہے، اس پر کسی جن وغیرہ کا سایہ نہیں پڑ سکتا۔

رسول اللہ ﷺ کے ہاں قدر و منزلت

دن تیزی سے گزرتے گئے جب حبیب کبریا سیدنا محمد ﷺ جوان ہوئے اور آپ ﷺ کی شادی سیدہ خدیجہ سے ہوگئی تو سیدہ حلیمہ سعدیہ اتنے طویل عرصے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ ان کے علاقے میں خشک سالی کی وجہ سے فصلیں تباہ ہو چکی تھیں، مویشی مر چکے تھے، اس ناگفتہ بہ صورت حال سے سیدنا حلیمہ سعدیہ نے رسول اکرم ﷺ کو آگاہ کیا تو آپ ﷺ نے اپنی بیوی سیدہ خدیجہ سے بات کی۔ انھوں نے چالیس بکریاں اور سواری کے لیے اونٹ انھیں دیے تو وہ خوش ہو کر اپنے گھر واپس گئیں۔

سیدہ حلیمہ سعدیہ سادہ زندگی بسر کرتی رہیں، یہاں تک کہ انھوں نے دیکھا کہ حبیب کبریا سیدنا محمد ﷺ منصب رسالت پر فائز ہو گئے اور آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے پوری نوع انسانیت کے لیے معلم قرار دے دیا ہے، تو ان کا دل فرحت، مسرت اور سعادت سے لبریز ہوگیا۔

ایک دن حلیمہ سعدیہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ جب آپ ﷺ نے انہیں دیکھا تو ان کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادر زمین پر بچھائی اور بڑی عزت و احترام سے پیش آئے، جو صحابہ کرام انھیں جانتے نہیں تھے ان میں سے ایک نے پوچھا: یہ خاتون کون ہے کہ جس کی رسول اللہ ﷺ اتنی خاطر مدارت کر رہے ہیں؟ جو صحابہ کرام جانتے تھے انھوں نے بتایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ کی رضاعی والدہ ہیں۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنی رضاعی والدہ کی آؤ بھگت کر کے کمال درجے کی وفاداری کا ثبوت دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی رضاعی والدہ کے لیے خلوص دل سے عزت، محبت اور احترام کا رویہ اختیار کیا۔

رحلت

طویل زندگی بسر کرنے کے بعد سیدہ حلیمہ سعدیہ نے مدینہ منورہ میں وفات پائی اور بقیع الغرقد کے قبرستان میں انھیں دفن کیا گیا۔ وہ اللہ سے راضی اور اللہ ان سے راضی۔

☆......☆......☆

اللہ جل جلالہ کی قدرت





کشف خالد

’’عبد اللہ بیٹا!

اُٹھو! فجر کا وقت چلا جائے گا‘‘

دادا جان نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

’’دادا جان! تھوڑی دیر سونے دیں نا‘‘ عبد اللہ نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔

’’نہیں بیٹا! اب اُٹھ بھی جاؤ دیکھو وقت چلا جائے گا، نماز کا‘‘

’’اچھا! دادا جان! لیجیے! میں اٹھ گیا‘‘ عبداللہ نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ دادا جان مسکرائے اور عبداللہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

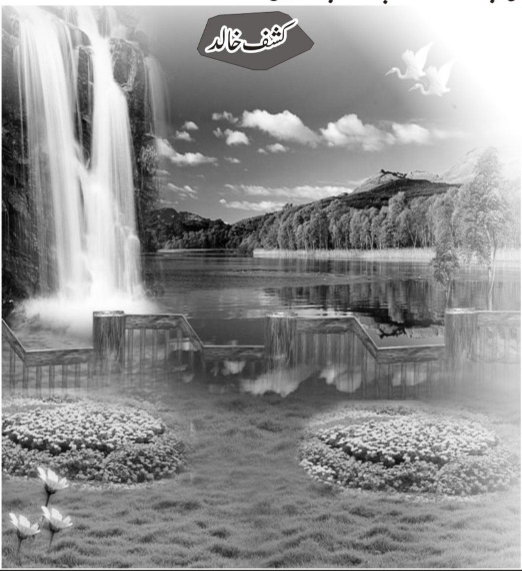
’’تم تو ہو ہی میرے پیارے بیٹے‘‘

☆......☆......☆

عبداللہ کی عمر بارہ سال تھی اور وہ اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔ وہ اپنے دادا جان کا بھی اکلوتا پوتا تھا۔ اس لیے ان کا لاڈلا بھی تھا۔ دادا جان اسے اکثر نماز پر اپنے ساتھ لے جاتے اور اسے دین کے بارے میں اچھی اچھی باتیں بتاتے اور وہ انہیں غور سے سنتا۔

نماز کے بعد دونوں دادا اور پوتا مسجد سے باہر نکلے اور تھوڑی سی سیر کرنے پارک کی طرف چل دیے۔

’’دادا جان! ہم ہر روزانہ صبح سیر کرنے کیوں جاتے ہیں؟‘‘



عبد اللہ نے سڑک پر دوڑتے ہوئے اچانک سوال کیا۔
"بیٹا! ہم ہر روز سیر کو اس لیے جاتے ہیں کیوں کہ تھوڑی سی چہل قدمی ہماری صحت کے لیے اچھی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ہم اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نظارے دیکھتے ہیں، اُبھرتا ہوا سورج، آسمان پر پر پھیلا کے اڑتے پرندے، پھول اور درخت اور پھولوں پر پڑے شبنم کے قطرے جو اسے اور بھی خوبصورت بنا دیتے ہیں۔ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں بیٹا!"
"اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں؟ وہ کیسے دادا جان؟" عبداللہ نے ایک بار پھر سوال کیا۔
آسمان پر سورج ابھی طلوع ہو رہا تھا اور ہلکی ہلکی سی سرخ روشنی پورے آسمان پر چھائی ہوئی تھی۔ دادا اور پوتا دونوں سڑک پر دوڑ رہے تھے۔ دادا جان نے سورج کی طرف دیکھو کر کہا۔
"بیٹا! وہ دیکھو! سورج" عبداللہ بھی سورج کی طرف دیکھنے لگا۔
"بیٹا! سورج اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بہت بڑی نشانی ہے۔ اندھیری رات کے بعد سورج نکلتا ہے اور اس کی روشنی پوری دنیا پر چھا جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:
"وہی اللہ پردۂ شب کو چاک کر کے صبح نکالتا ہے۔ اسی نے رات کو سکون کا وقت بنایا ہے۔ اسی نے چاند اور سورج کے طلوع و غروب کا حساب مقرر کیا ہے۔ یہ سب اسی زبردست قدرت اور علم رکھنے والے (اللہ) کے ٹھہرائے ہوئے اندازے ہیں۔"
وہ انسان کو قدرت کے مظاہرے پر گہری نظر مطالعہ و مشاہدہ کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ انسان کی تخلیق میں سورج چاند تاروں کے نظام میں، حیوانات نباتات میں سمندر زمین آسمان میں حق تعالیٰ کی توحید وحدانیت قدرت و حکمت کی بہت سی نشانیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں:
"بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدل بدل کے آنے جانے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔"
وہ پارک میں داخل ہو چکے تھے۔ دادا جان بڑھاپے کی وجہ سے چل چل کر تھک گئے تھے۔
انہوں نے ایک درخت کے قریب رکتے ہوئے کہا۔
"آؤ بیٹا! کچھ دیر اس درخت کے نیچے بیٹھتے ہیں"
"ٹھیک ہے دادا جان" عبداللہ نے درخت کے نیچے بیٹھتے ہوئے کہا۔
"دادا جان! اور بھی بتائیے ناں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بارے میں"
عبداللہ نے بے چین ہو کر کہا۔
دادا جان مسکرائے اور پھر بولے بیٹا۔

”اس درخت کو غور سے دیکھو! کبھی یہ ایک چھوٹا سا بیج تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی قدرت سے ایک تناور درخت بنا دیا۔

درختوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے انسان کے فائدے کے لیے پیدا کیا ہے۔ کیا آپ کو پتا ہے بیٹا کہ درختوں کے کیا فائدے ہیں؟“

”ہاں! دادا جان! درختوں سے ہمیں بہت سارے فائدے ہوتے ہیں۔ درخت ہمیں کھٹے میٹھے پھل دیتے ہیں، درختوں کی لکڑیاں جو ہمیں بہت سی چیزیں بنانے میں کام آتی ہے اور ہم اس سے آگ بھی جلاتے ہیں اور اس کا ٹھنڈا سایہ جس کے سایہ میں ہم بیٹھتے ہیں؟“

”بالکل سہی میرے بچے!“ دادا جان نے عبداللہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور پھر بولے۔

”بظاہر سفید رکھنے والے انڈے کے اندر کس رنگ کا پرندہ ہے کس کو پتا ہوتا ہے۔

انڈے تو سبھی سفید ہوتے ہیں لیکن اس میں سے کوا کالا نکلتا ہے، بگلا سفید ہوتا ہے اور طوطا ہرا نکلتا ہے۔ یہ بھی تو اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

بیٹا! دنیا میں طاقت ور بھی ہیں، حاکم بھی ہیں۔ بادشاہ اور شہنشاہ بھی ہیں لیکن یہ سب کسی نہ کسی مقام پر مجبور و محکوم ہیں اور کسی بڑی طاقت کی مدد ان کی ضرورت ہے یہ بڑی طاقت اللہ تعالیٰ کی ہے۔

جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے اور ان سب کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے اور ان سب کو رزق دیتا ہے اور وہی ان سب پر قدرت رکھتا ہے۔

وہ حاکموں کا حاکم ہے۔ وہ زندہ کو مردہ اور مردہ کو زندہ کر سکتا ہے، وہ بیمار کو صحت مند اور صحت مند کو بیمار بنا سکتا ہے۔

اگر وہ چاہے تو اپنی قدرت سے سورج کو مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع کر سکتا ہے۔ وہ دریاؤں کا رخ موڑ سکتا ہے۔ گویا کائنات کے ہر ذرے پر وہ اپنی قدرت رکھتا ہے اور اس کی مرضی کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی قدرت کی نشانیوں کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین“

”آمین۔ دادا جان! آپ سہی کہہ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ ساری کائنات میں اسی کی بادشاہت و حاکمیت ہے۔

میں اسکول جا کر اپنے دوستوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں کے بارے میں بتاؤں گا“

”ٹھیک ہے میرے بیٹے! لیکن اب گھر چلتے ہیں“ دادا جان نے مسکراتے ہوئے عبداللہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے دادا جان!“

عبداللہ بھی مسکرایا اور وہ دونوں اپنے گھر کی طرف چل دیے۔

☆......☆......☆



جنت میں محل

محمد شجاع الدین

مسجدیں تعمیر کرنا، انہیں بنانا اور ان کی حفاظت کرنا اسلام میں اس کا بہت اونچا مقام ہے۔رسول اللہ ﷺ نے مساجد کی تعمیر میں خود بھی حصہ لیا اور اس کے لئے فضائل بھی بیان کئے۔

مساجد اس دنیا میں سب سے قیمتی جگہیں ہیں۔سب سے منور اور سب سے پاک زمین کا ٹکڑا جہاں مسجد بنائی جاتی ہے۔رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام مساجد کے لئے خوب محنت فرماتے۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام ؓ مسجد بنانے کے لیے کچی اینٹیں اٹھا کر لا رہے تھے اور حضور ﷺ ان کے ساتھ تھے (یہ غزوہ خیبر کے بعد کا واقعہ ہے جب کہ مسجد نبوی کی دوسرے مرتبہ تعمیر ہوئی) حضور ﷺ اپنے پیٹ پر ایک اینٹ چوڑائی میں رکھے ہوئے لا رہے تھے۔ سامنے سے میں آیا تو میں سمجھا کہ اس اینٹ کو اٹھانے میں آپ ﷺ کو دشواری ہو رہی ہے، اس لئے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ اینٹ مجھے دے دیں۔حضور ﷺ نے فرمایا:

اے ابو ہریرہ ؓ! تم کوئی اور اینٹ لے لو کیونکہ اصل زندگی تو آخرت کی ہے۔

حضرت طلق بن علی (یمامی ؓ) فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ مسجد بنائی۔

حضور ﷺ (میرے بارے میں کسی صحابی سے) فرما رہے تھے کہ اس یمامی کو گارے کی



طرف بڑھاؤ کیونکہ اسے تم سب سے زیادہ اچھی طرح گارا ملانا آتا ہے۔

اور اس کے کندھے بھی تم سب سے زیادہ مضبوط ہیں یعنی تم سے زیادہ طاقتور بھی ہے۔

حضرت طلق بن علیؓ نے فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔اس وقت حضور ﷺ کے صحابہ مسجد بنا رہے تھے۔

حضور ﷺ کو صحابہ کا یہ کام کچھ پسند نہیں آرہا تھا۔میں پھاوڑا لے کر اس سے گارا ملانے لگ گیا۔حضور ﷺ کو میرا پھاوڑا لے کر اس سے گارا ملانا پسند آیا تو فرمایا، اس حنفی (قبیلہ بنوحنیفہ کے آدمی) کو گارا بنانے میں لگا رہنے دو کیونکہ یہ تم سے زیادہ اچھا گارا بنانے والا ہے۔

جب حضرت ابن ابی اوفیؓ کی بیوی کا انتقال ہوا تو وہ فرمانے لگے کہ اس کا جنازہ اٹھاؤ اور خوب شوق سے اٹھاؤ کیونکہ یہ اور اس کی رشتہ دار عورتیں رات کو اس مسجد کے پتھر اٹھاتی تھیں جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے اور ہم (مرد) دن میں دو دو پتھر اٹھاتے تھے۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ انصار نے آپس میں کہا کہ کب تک حضور ﷺ کھجور کی ٹہنیوں سے بنی ہوئی مسجد میں نماز پڑھتے رہیں گے؟ اس پر انصار نے حضور ﷺ کے لیے بہت سے دینار جمع کئے اور وہ لے کر حضور کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ ہم اس مسجد کو ٹھیک کرنا چاہتے ہیں اور اسے مزین بنانا چاہتے ہیں۔حضور ﷺ نے فرمایا:

میں اپنے بھائی موسیٰ علیہ السلام کے طرز سے ہٹنا نہیں چاہتا میری مسجد کا چھپر ایسا ہو جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تھا۔

حضرت حسن رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کا چھپر اتنا اونچا تھا کہ جب وہ اپنا ہاتھ اٹھاتے تو چھپر کو لگ جاتا تھا۔

حضرت ابن شہاب رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانے میں مسجد کے ستون کھجور کے تنے تھے اور اس کی چھت کھجور کی ٹہنیوں اور

پتوں کی تھی اور چھت پر کوئی خاص مٹی بھی نہیں تھی۔ جب بارش ہوا کرتی تھی تو ساری مسجد کیچڑ سے بھر جاتی تھی اور آپ ﷺ کی مسجد تو بس چھپر جیسی ہی تھی۔

بخاری میں لیلۃ القدر کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے خواب میں (لیلۃ القدر کی) یہ نشانی دکھائی گئی ہے کہ میں کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں، لہٰذا جس نے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ اعتکاف کیا تھا، وہ اب پھر اعتکاف کرے، چنانچہ ہم نے دوبارہ اعتکاف شروع کر دیا۔ اس وقت ہمیں آسمان میں بادل کا کوئی ٹکڑا نظر نہیں آ رہا تھا لیکن تھوڑی دیر کے بعد ایک بادل آیا اور بارش ہوئی اور اتنی ہوئی کہ مسجد کی چھت خوب ٹپکنے لگی۔

مسجد کی چھت کھجور کی ٹہنیوں کی تھی اور نماز کھڑی ہو گئی، تو میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کیچڑ میں سجدہ کر رہے ہیں یہاں تک کہ میں نے آپ ﷺ کی پیشانی پر کیچڑ کا اثر دیکھا۔

حضرت خالد بن معدان کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس ایک بانس تھا جس سے وہ مسجد کی پیمائش کر رہے تھے کہ اتنے میں حضور ﷺ ان کے پاس باہر تشریف لائے اور ان سے فرمایا:

تم دونوں کیا کر رہے ہو؟

ان دونوں نے عرض کیا، ہم رسول اللہ ﷺ کی مسجد ملک شام کے طرز پر بنانا چاہتے ہیں اور اس کا جتنا خرچہ ہو گا وہ انصار پر تقسیم کر دیا جائے گا۔

حضور ﷺ نے فرمایا، یہ بانس مجھے دو۔ آپ ﷺ نے ان دونوں سے وہ بانس لیا پھر چل پڑے اور دروازے پر پہنچ کر آپ ﷺ نے وہ بانس پھینک دیا اور فرمایا:

ہرگز نہیں (ملک شام کی طرح مسجد کی شاندار عمارت نہیں بنانی) بس گھاس پھوس اور چھوٹی چھوٹی لکڑیاں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا سائبان ہو اور (موت کا) معاملہ اس سے بھی زیادہ قریب ہے۔

کسی نے پوچھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سائبان کیسا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جب کھڑے ہوتے تو ان کا سر چھت کو لگ جاتا۔

حضرت نافع رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ستون سے لے کر مقصورہ (امام کے لئے بنانے والے کمرہ) تک مسجد میں اضافہ کیا اور فرمایا:

اگر میں نے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نہ سنا ہوتا کہ ہمیں اپنی مسجد کو بڑھانا چاہئے تو میں ہرگز نہ بڑھاتا۔

حضرت نافع رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے انہیں بتایا کہ مسجد حضور ﷺ کے زمانے میں کچی اینٹ سے بنی ہوئی تھی۔ اس کی چھت کھجور کی ٹہنیوں کی تھی اور اس کے

ستون کھجور کے تنوں کے تھے۔

ابو بکرؓ نے مسجد میں کوئی اضافہ نہ کیا، البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں اضافہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جیسی کچی اینٹ اور کھجور کی ٹہنیوں سے بنی ہوئی تھی ویسی ہی بنائی اور اس کے ستون لکڑی کے ہی بنائے۔

پھر حضرت عثمان اللہؓ نے اسے بدل دیا اس میں بہت زیادہ اضافہ کیا اور اس کی دیوار میں منقش پتھروں اور چونے سے بنائیں اور اس کے ستون منقش پتھروں کے اور اس کی چھت ساکھو کی لکڑی کی بنائی۔(اخرجہ البخاری وابوداؤد)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں آپ کی مسجد کے ستون کھجور کے تنوں کے تھے اور مسجد پر کھجور کی ٹہنیوں سے سایہ کیا ہوا تھا پھر حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ خلافت میں یہ کھجور کے تنے اور ٹہنیاں بوسیدہ ہو کر ریزہ ریزہ ہونے لگیں تو انہیں ہٹا کر حضرت ابو بکرؓ نے نئے کھجور کے تنے اور ٹہنیاں لگا دیں پھر یہ ستون حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں بوسیدہ ہوا تو انہیں ہٹا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی جگہ پکی اینٹیں لگا دیں جو اب تک لگی ہوئی ہیں۔

مسلم میں یہ روایت ہے کہ حضرت محمود بن لبید رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفانؓ نے مسجد بنانے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے اسے پسند نہ کیا کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ مسجد کو اسی حالت پر رہنے دیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو اللہ کے لئے مسجد بنائے اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس جیسا محل جنت میں بنائے گا۔

حضرت مطلب بن عبداللہ بن خطب رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ جب ۲۴ھ میں حضرت عثمان بن عفان خلیفہ بنے تو لوگوں نے ان سے مسجد بڑھانے کی بات کی اور یہ شکایت کی کہ جمعہ کے دن جگہ بہت تنگ ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ انہیں مسجد سے باہر میدان میں نماز پڑھنی پڑتی ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل الرائے صحابہؓ سے مشورہ کیا تو سب کا اس پر اتفاق ہوا کہ پرانی مسجد کو گرا کر اس میں اضافہ کر دیا جائے، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف فرما ہو کر پہلے اللہ کی حمد و ثنا بیان فرمائی پھر فرمایا:

اے لوگو! میں نے اس بات کا ارادہ کر لیا ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد کو گرا کر اس میں اضافہ کر دوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو اللہ کے لئے مسجد بنائے گا اللہ اس کے لیے جنت میں محل بنائیں گے اور یہ کام مجھ سے پہلے ایک بہت بڑی شخصیت بھی کر چکی ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مسجد کو

بڑھایا بھی تھا اور اسے نئے سرے سے بنایا بھی تھا اور میں اس بارے میں حضور ﷺ کے اہل الرائے صحابہ سے مشورہ بھی کر چکا ہوں۔

ان سب کا اس پر اتفاق ہے کہ مسجد کو گرا کر نئے سرے سے بنایا جائے اور اس میں توسیع بھی کر دی جائے تو لوگوں نے اس بات کی خوب تحسین کی اور ان کے لئے دعا بھی کی۔

اگلے دن صبح کو حضرت عثمانؓ نے کام کرنے والوں کو بلایا اور انہیں کام میں لگایا اور خود بھی اس کام میں لگے حالانکہ حضرت عثمانؓ نے ہمیشہ روزہ رکھا کرتے تھے اور رات بھر نماز پڑھا کرتے تھے اور مسجد سے باہر نہیں جایا کرتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ربیع الاول ۲۹ ھ میں مسجد کی تعمیر کا کام شروع کیا جو محرم ۳۰ ھ میں ختم ہوا۔ یوں دس ماہ میں کام پورا ہوا۔

حضرت جابر بن اسامہ جہنیؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ بازار میں تھے میری آپ ﷺ سے ملاقات ہوئی میں نے پوچھا حضور کہاں جانے کا ارادہ فرمارہے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ حضور ﷺ تمہاری قوم کے لیے مسجد کی جگہ کی نشاندہی کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ میں جب وہاں پہنچا تو حضور مسجد کی جگہ کی نشاندہی کر چکے تھے اور آپ نے قبلہ نشانی کے لیے ایک لکڑی زمین میں گاڑی ہوئی تھی۔

حضرت عثمان بن عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بہت سے شہر فتح کر لیئے تو ان شہروں کے گورنروں کو خط لکھے، چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری بصرہ کے گورنر تھے۔

انہیں خط میں یہ لکھا کہ سارے شہر کے لئے جمعہ کی نماز کے لیے ایک جامع مسجد بنائیں (اور ہر قبیلہ کے لئے الگ الگ مسجد بنائیں) ہر قبیلہ والے پانچوں نمازیں اپنی مسجد میں پڑھا کریں لیکن جمعہ کے دن سب جامع مسجد میں آکر جمعہ پڑھا کریں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص کوفہ کے گورنر تھے انہیں بھی یہی لکھا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مصر کے گورنر تھے انہیں بھی یہی لکھا اور لشکروں کے امیروں کو یہ لکھا کہ دیہات میں رہائش نہ رکھیں بلکہ شہروں میں رہیں اور ہر شہر میں ایک ہی مسجد بنائیں اور جیسے کوفہ، بصرہ اور مصر والوں نے مسجدیں بنائیہیں اس طرح ہر قبیلے والے اپنی اپنی مسجد نہ بنائیں، چنانچہ لوگ حضرت عمرؓ کے اس فرمان کے پابند ہو گئے۔

آج دیکھا جائے تو ہزاروں مساجد ہیں اور ہر طرف اذان اللہ اکبر سنائی دی جاتی ہے۔

مساجد اس زمین پر سب سے مقدس مقام ہیں ان کا احترام اور عزت وتکریم میں کبھی فرق روا نہ رکھا جائے۔

☆......☆......☆

پہلے انسان سے پہلے قتل تک

دانیال حسن چغتائی

آج سے لاکھوں برس پہلے یہ دنیا خالی خولی تھی۔ شہر تھا نہ آبادیاں، فلک بوس مکان تھے، نہ پکی اور صاف ستھری سڑکیں، سفر اور بار برداری کے لئے گاڑیاں تھیں ، نہ ریل کاریں ،بجلی کے قمقمے تھے نہ چکا چوند روشنیاں تھیں۔

ہر طرف ویرانی اور وحشت تھی۔ زمین بے آباد تھی۔ انسان کا نشان تک نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ جو اس کائنات کا پیدا کرنے والا ہے اس نے اسے آباد کرنے کا پروگرام بنایا۔

مٹی کا ایک پتلا بنایا۔

وہ بے جان تھا اس میں جان ڈال دی۔ وہ گونگا تھا اسے آباد کرنے کی صلاحیت عطا کی۔

وہ چلنے پھرنے سے معذور تھا اسے چلنے کی قوت دی۔ پھر اسے علم عطا کیا اور علم کی رو سے آدم کو تمام مخلوق پر فضیلت اور عظمت بخشی ، یہاں تک



کہ اپنی نورانی اور مقدس مخلوق فرشتوں کو اس کی خدمت اور آرام رسانی پر مقرر کیا۔

ملائکہ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر جھکا دیا، وہ کبھی بھی اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے۔ فرمانبرداری ان کی عادت اور ان کی خوراک۔ عبادت سے وہ جان گئے تھے کہ آدم کے پاس علم ہے اور علم اللہ کا نور ہے جو اس کی خاص نعمت ہے۔ دنیا کی بڑی سے بڑی شے علم کا مقابلہ نہیں کر سکتی اس لئے وہ آدم کی خدمت پر دل وجان سے راضی ہو گئے۔

آدم اکیلے تھے، ان جیسا کوئی دوسرا انسان نہیں تھا، اکیلے میں دل گھبراتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بی بی حوا کو پیدا کیا تاکہ وہ حضرت آدم کو آرام پہنچائیں، اُن کی تنہائی ختم ہو اور دونوں سے بچے پیدا ہوں تاکہ خالی دنیا آباد ہو اور یہ بچے بڑے ہو کر دنیا کا نظام سنبھالیں اور اسے اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق چلائیں۔

پہلے پہل اللہ تعالیٰ نے آدم اور حوا کو جنت میں رکھا۔ وہاں رنگا رنگ باغات تھے، طرح طرح کے میوہ جات تھے اور پھل تھے، پھولوں کی کیاریاں تھیں، دودھ اور شہد کی نہریں تھیں۔

آدم اور آدم کی تمام اولاد کا اصلی ٹھکانہ جنت ہے۔ خوبصورت پرندے اور تتلیاں تھیں، ہر طرف حسن اور خوبصورتی تھی۔

نہ کوئی بیماری تھی نہ کوئی پریشانی نہ آفت تھی نہ مصیبت، بس خوشی ہی خوشی تھی آرام ہی آرام تھا۔ مزے ہی مزے تھے۔

شیطان کو اپنے آپ پر آدم کی یہ فضیلت پسند نہ آئی۔ ابلیس نے آدم کے سامنے سر جھکانے سے انکار کر دیا۔

اس نے اپنے آپ کو بڑا سمجھا اور کہ میں بڑا ہوں، مجھے آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔

آدم کو مٹی سے بنایا گیا ہے، میں آدم کے سامنے ہرگز نہ جھکوں گا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے تکبر کو ناپسند کیا، اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے سے خوش نہیں ہوتے بلکہ اُسے دنیا اور آخرت میں ذلیل ورسوا کرتے ہیں، متکبر کو کوئی بھی اچھا نہیں سمجھتا، وہ دنیا میں بھی ذلیل ہوتا ہے اور آخرت میں بھی۔

اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے دربار سے ذلیل کر کے نکال دیا۔ ابلیس نے طبعی زندگی کی مہلت مانگی، اسے مہلت دے دی گئی، اس نے کہا میں آدم کی اولاد کو گمراہ کروں گا۔ ان کو نیکی سے روکوں گا اور برائیوں میں مبتلا کروں گا۔

میں بھیس بدل کر انسانوں کے پاس آؤں گا اور ان کے دل میں وسوسے اور برے خیال ڈالوں گا اور ان کو ظلم، گناہ، چوری، جھوٹ اور خیانت جیسی برائیوں میں مبتلا کر دوں گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو میرے نیک بندے ہیں وہ تیری بات ہرگز نہیں مانیں گے اور اپنے

بندوں کو میں جنت میں جگہ دوں گا، جہاں خوشی ہوگی آرام ہوگا اور مزے ہوں گے اور جو میری نافرمانی کریں گے۔ مجھے چھوڑ کر تیری بات مانیں گے ان کو جہنم میں ڈالوں گا، جہنم میں عذاب ہوگا، کھولتا ہوا پانی ہوگا اور طرح طرح کی مصیبت اور پریشانی ہوگی۔

اس نے سوچا آدم کی وجہ سے ذلیل اور خوار ہوا ہوں، اس لئے اپنی ذلت اور رسوائی کا بدلہ حضرت آدم سے ضرور لوں گا۔

ابلیس نے آدم سے میٹھی میٹھی باتیں کیں اور ان کے دل میں خوبصورت خیالات اور وسوسے ڈالے۔ آدم اس کی باتوں میں آگئے اور اللہ کے حکم کو بھول گئے۔

اللہ تعالیٰ نے آدم اور حوا دونوں کو دنیا میں بھیج دیا، اور آدم کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنایا اور گناہ کی معافی مانگنے کا طریقہ سکھایا۔

حضرت آدم سو سال روتے رہے اور اپنی غلطی کی معافی مانگتے رہے، گناہوں کی معافی مانگنے والوں کو اللہ تعالیٰ بے حد پسند کرتا ہے اور ان سے بے حد خوش ہوتا ہے اور ان کے درجات کو بلند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو معاف کر دیا اور اُن کے درجات کو بلند کیا۔

حضرت آدم اور اماں حوا سے پہلے دنیا میں کوئی انسان نہ تھا نسل انسانی کا آغاز ان دونوں سے ہوا۔

یوں دنیا میں انسان پھلنے پھولنے لگا۔ آبادی بڑھنے لگی، گھروندے بننے لگے۔ کھیتی باڑی ہونے لگی، رزق کی تلاش میں انہوں نے دور دراز جنگلوں کے سفر کئے اور یوں زمین آباد ہوئی۔

حضرت آدم اللہ تعالیٰ کے نبی تھے۔ وہ لوگوں کو بتاتے تھے کہ ہم دنیا میں امتحان اور آزمائش کے لئے بھیجے گئے ہیں، ہماری دنیا کی زندگی عارضی ہے۔ ہمارا اصل گھر جنت ہے لیکن جنت میں صرف وہی لوگ جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کریں گے۔

کسی کو تکلیف نہ دیں گے، کسی کا حق نہیں ماریں گے، جھوٹ، چغلی، چوری اور خیانت سے باز رہیں گے اور وہ لوگ جہنم میں جائیں گے جو بُرے کام کریں گے۔

حضرت آدم کے خاندان میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ حضرت آدم کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام ہابیل تھا۔ دوسرے کا نام قابیل تھا۔

ہابیل انتہائی متقی پرہیز گار اور نیک آدمی تھا، کبھی جھوٹ نہ بولتا، اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حکم کی نافرمانی نہ کرتا وہ لوگوں سے محبت کرتا، لوگ اس سے محبت کرتے، کسی کو تکلیف نہ پہنچاتا۔

قابیل اس کی مقبولیت دیکھ کر جلتا رہتا، ہابیل کی بیوی بھی نیک اور خوبصورت تھی جب کہ قابیل کی بیوی ایسی نہ تھی۔

ہابیل جب بھی اللہ کی راہ میں دیتا اچھا اور

عمدہ مال دیتا لیکن قابیل گھٹیا اور ردی مال پیش کرتا اس لئے ہابیل کی قربانی اور سخاوت قبول کرلی جاتی اور قابیل کا مال قبول نہ کیا جاتا، ان باتوں نے قابیل کو حسد میں مبتلا کر دیا۔

پیارے مسلمان بچو! حسد بہت برا مرض ہے۔ حاسد شخص ہر وقت پریشان رہتا ہے۔ اس کی دنیا اور دین دونوں تباہ ہو جاتے ہیں۔

قابیل کے دل میں حسد کا مرض پیدا ہو گیا تھا، اس لئے وہ ہر وقت جلتا رہتا، اسے ایک لمحہ بھی اطمینان نصیب نہ ہوتا۔

اس نے ایک خوفناک منصوبہ بنایا۔ اس نے سوچا کیوں نہ ہابیل کو قتل ہی کر ڈالوں تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

ایک دن غصے میں تلملاتا ہوا وہ ہابیل کے پاس پہنچا۔ اور اس سے کہا میں تجھے قتل کئے بغیر نہ چھوڑوں گا۔

ہابیل نے نہایت تحمل اور نرمی سے جواب دیا میں تو کسی طرح تجھ پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا باقی تیری جو مرضی ہو وہ کرلے، رہا قربانی کا معاملہ سو اللہ تعالیٰ کے ہاں نیک نیت کی قربانی قبول ہوتی ہے۔ بدنیت کی عبادت اور صدقہ یا خیرات کی اللہ کے ہاں کوئی قدر نہیں، قابیل پر اپنے بھائی کی نصیحت کا الٹا اثر پڑا اور اس نے غصہ سے مشتعل ہو کر اسے بے دردی سے قتل کر دیا۔

انسانی تاریخ کا یہ پہلا قتل تھا۔ دنیا میں قتل کی ابتدا کرنے والا پہلا انسان قابیل تھا۔ اس لئے ہمارے پیارے اور سچے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا کہ دنیا میں جب کوئی قتل ہوتا ہے تو اس کا گناہ حضرت آدم کے پہلے بیٹے (قابیل) کی گردن پر ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے ظالمانہ قتل کی ابتداء کی اور یہ ناپاک رسم جاری کی، قتل کے بعد قابیل کو پریشانی لاحق ہوئی کہ مردہ بھائی کی نعش کو کہاں چھپائے۔

ابھی تک اولاد آدم میں سے کوئی نہیں مرا تھا، اس لئے آدم نے مردے کے بارے میں اللہ کا کوئی حکم بھی نہیں سنایا تھا۔ آخر اس نے ایک کوے کو دیکھا جو زمین کھود رہا تھا۔ تھوڑا سا گڑھا کھودنے کے بعد اس نے ایک مردہ کوے کو اس میں دبا دیا، قابیل نے جب یہ منظر دیکھا تو اپنی حماقت پر افسوس کرنے لگا۔ بے ساختہ اس کے منہ سے یہ جملہ نکلا۔

ہائے افسوس! کیا میں ایسا گیا گزرا ہو گیا کہ اس کوے جیسا بھی نہ بن سکا۔

وہ ندامت سے پانی پانی ہو گیا اور پھر کوے کی طرح گڑھا کھود کر اپنے بھائی کی لاش کو اس میں چھپا دیا۔

قابیل کو شرمندگی تو ہوئی لیکن اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

☆......☆......☆

محمد مقصود احمد شہیدؒ

غازی علم الدینؒ شہید رحمۃ اللہ علیہ سے غازی عامرؒ چیمہ شہید رحمۃ اللہ علیہ تک





قسط 17

غازی عامر چیمہ شہیدؒ

۲۰ مارچ ۲۰۰۶ء کا سورج ڈھلنے کے بعد جرمنی کے دار الحکومت برلن میں ایک اہم واقعہ پیش آیا......

جرمنی سے شائع ہونے والے ایک قدیم اخبار ''ڈائیولٹ'' (Die Welt) کے مرکزی دفتر میں ایک نوجوان داخل ہوا اور بغیر رکے ہوئے اخبار کے ایڈیٹر ''ہینرک بروڈر'' (Henryk Broder) کے کمرے کی طرف بڑھا، جہاں وہ شخص اپنے دفتری کاموں میں مشغول تھا، نوجوان کے عمارت میں داخل ہوتے ہیں سکیورٹی اہلکار اس کی طرف لپکے اور اسے پکڑنے کی کوشش کی لیکن نوجوان پورے رعب اور اعتماد کے ساتھ دھاڑا اور انہیں للکارتے ہوئے کہا کہ اگر انہوں نے اسے پکڑنے کی کوشش کی تو وہ اپنے جسم کے ساتھ بندھا ہوا بارود اڑا دے گا اور وہ سب کے ساتھ موت کے گھاٹ اتر جائیں گے۔ یہ سنتے ہی سکیورٹی اہلکار گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے اور نوجوان بھاگتا ہوا ایڈیٹر کے کمرے میں داخل ہو گیا، پل بھر میں اس نے کپڑوں میں چھپایا ہوا ''ہینٹر نائف'' نامی خاص شکاری خنجر نکالا اور ایڈیٹر کی

گردن پر وار کرنے کو لپکا، مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنے شکار کا کام تمام کرتا، دفتر کا دیگر عملہ جمع ہو گیا اور اس نے نوجوان کو قابو کر لیا۔

تاہم اتنا ضرور ہوا کہ اس دوران خنجر کا ایک وار ایڈیٹر کی گردن پر زخم کر چکا تھا۔ نوجوان نے ایڈیٹر پر مزید وار کرنے کے لئے اپنے آپ کو لوگوں کے چنگل سے چھڑانے کی بھرپور کوشش کی لیکن وہ ایسا نہ کر سکا اور کچھ ہی دیر بعد اس کے ہاتھوں میں جرمن پولیس کے مسلح افراد ہتھکڑیاں ڈال رہے تھے۔

یہ نواجون امتِ مسلمہ کا قابل فخر سپوت اور مایہ ناز فرزند غازی عامر چیمہ تھا اور وہ اخبار جس کے ایڈیٹر پر عامر چیمہ نے قاتلانہ حملہ کیا، ان ذرائع ابلاغ میں سے ایک تھا جنہوں نے کائنات کی سب سے معزز ہستی نبی اکرم ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کا ارتکاب کیا یا اس ناپاک جسارت کی حمایت کی تھی۔

عامر چیمہ ڈیڑھ ارب مسلمانوں میں سے وہ ایک مردِ جری نکلا جس نے اپنے محبوب ﷺ کی حرمت پر حملہ آور ہونے والوں کو ختم کر ڈالنے کا عزم کیا یہ سوچے بغیر کہ خود اس کا اپنا انجام کیا ہو گا؟

☆......☆......☆

۴ دسمبر ۱۹۷۷ء کو حافظ آباد میں ایک خوش قسمت بچے نے جنم لیا، والد محترم نے اپنے اس لختِ جگر کا نام عبدالرحمن اور والدہ محترمہ نے اپنے نورِ نظر کا نام عامر رکھا۔ تاہم بعد میں یہ بچہ عامر چیمہ کے نام سے مشہور ہوا۔ عامر کے والد محترم کا نام محمد نذیر ہے اور آپ چیمہ برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔

جناب محمد نذیر چیمہ کا آبائی تعلق وزیر آباد کے نواحی گاؤں ساروکی سے ہے۔ جبکہ آپ کی شادی حافظ آباد سے ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک بیٹا محمد عامر چیمہ اور تین بیٹیاں عطا فرمائیں۔

جناب محمد نذیر چیمہ پیشے کے لحاظ سے شعبۂ تعلیم سے وابستہ رہے ہیں اور گورنمنٹ حشمت علی اسلامیہ کالج راولپنڈی میں چھبیس سال تک تدریسی فرائض سر انجام دے چکے ہیں۔

اس ملازمت کا آغاز محمد عامر چیمہ کی ولادت سے ایک سال پہلے ہی ہو گیا تھا اس لئے یہ گھرانہ مستقل طور پر راولپنڈی ہی میں آبسا۔

جہاں محترم محمد نذیر صاحب کو کالج کی طرف سے رہائش مل چکی تھی۔

پروفیسر صاحب کے کالج کی ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد اب یہ باسعادت خاندان ڈھوک کشمیریاں میں رہائش پزیر ہے۔ راولپنڈی شہر کے بیچوں بیچ سے گزرتی ہوئی مری روڈ کو جہاں سکستھ روڈ کراس کرتی ہے، وہیں مشرقی سمت میں اندر سروس روڈ ہے اس روڈ پر گلی نمبر ۱۸ میں ان کا مکان واقع ہے۔ اس گلی کو ٹیوب ویل والی گلی بھی کہا جاتا ہے۔

☆......☆......☆

محمد عامر چیمہ کی زندگی کا پیشتر حصہ اسی علاقے میں گزرا اور اپنے تعلیمی سفر کا آغاز بھی آپ نے یہیں سے کیا۔

پروفیسر محمد نذیر صاحب چونکہ خود مذہب سے گہری وابستگی رکھتے ہیں اور اسلامی تعلیمات سے انہیں گہرا لگاؤ ہے اس لئے انہوں نے اپنے فرزند ارجمند کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں بھی اپنے مزاج کا پورا پورا اظہار کیا۔

چنانچہ محمد عامر کو مستقل طور پر ابتدائی دینی تعلیم دی گئی اور آپ نے حشمت علی کالج کی مسجد ہی میں ناظرہ قرآن مجید مکمل کیا اور ساتھ ہی عصری تعلیم حاصل کرنے کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔

محمد عامر چیمہ نے سکول کی پڑھائی گھر سے قریب ہی واقع گورنمنٹ پرائمری سکول سے شروع کی۔ پھر جامعہ ہائی اسکول میں داخلہ لیا اور میٹرک تک یہیں پڑھتے رہے۔

دورانِ تعلیم آپ کی قابلیت نمایاں رہی اور اساتذہ کرام کی نظروں میں لائق توجہ رہنے کے ساتھ ساتھ اپنے ہم سبق و ہم عصر طلبہ میں بھی آپ بوجوہ ممتاز رہے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کے ساتھ گزرے وقت اور بیتی یادوں کو آپ کے دوست آج بھی اپنے دلوں میں محفوظ رکھے ہوئے ہیں اور عظیم شاگرد اور قابل فخر دوست کی ادائیں ان کی نگاہوں کے سامنے ہیں۔

راجہ ساجد نذیر ڈھوک کشمیریاں راولپنڈی کے رہائشی ہیں اور محمد عامر چیمہ کو بچپن سے جانتے ہیں۔ آپ نے عامر چیمہ کے حوالے سے اپنی یادیں تازہ کرتے ہوئے کہا:

”میں عامر کو اس وقت سے جانتا ہوں جب یہ ننھا سا پھول گورنمنٹ پرائمری سکول میں پڑھتا تھا۔ شروع سے ہی عامر چیمہ کم گو اور صاف گو تھا اور عام بچوں سے بالکل مختلف تھا۔

اس کی شہادت تک اہل محلہ کو اس پر فخر رہا اور اس فخر کی لاج رکھتے ہوئے اس نے پورے عالم اسلام کے سر فخر سے بلند کر دیئے۔ عامر ایک پرعزم اور باحوصلہ جوان تھے“۔

جناب محمد یحییٰ علوی صاحب نیک سیرت انسان ہیں اور گورنمنٹ جامع ہائی سکول فار بوائز میں عرصۂ دراز تک تدریسی فرائض سر انجام دیتے رہے ہیں۔ آپ کے تدریسی موضوعات عربی، اسلامیات اور اردو ہے۔

اسی سکول میں عامر چیمہ شہید نے آپ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ محمد یحییٰ صاحب نے عامر شہید کے اس دور کے حوالے سے بتایا:

”عامر بہت ذہین اور سمجھدار بچہ تھا۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ کبھی ایسا ہوا ہو کہ وہ سکول آیا ہو اور اس نے گھر کے لئے دیا جانے والا کام پورا نہ کیا ہو۔ وہ اکثر و بیشتر امتحانات میں اول یا دوم پوزیشن حاصل کرتا۔ اور اسی تعلیمی قابلیت کی وجہ

سے اسے باقی ہم جماعتوں پر نگران مقرر کیا گیا تھا۔ دسویں جماعت کا امتحان شاندار نمبروں سے پاس کر کے عامر نے وظیفہ بھی حاصل کیا۔"

۱۹۹۳ء میں دسویں جماعت نمایاں کامیابی کے ساتھ پاس کر کے عامر چیمہ شہید نے ایف جی سرسید کالج مالک روڈ روالپنڈی میں داخلہ لیا اور وہاں بھی اپنی قابلیت وصلاحیت کا لوہا منوایا۔

اپنے ہم جماعتوں میں علمی و اخلاقی لحاظ سے فوقیت نے آپ کو ہمیشہ نمایاں اور ممتاز مقام دیا اور نہ صرف ہم عمر طلبہ اساتذہ کرام بھی آپ کی صلاحیتوں کے جس طرح قائل رہے اس کا اندازہ آپ کے دو اساتذہ جناب پروفیسر عبد اللہ خان نیازی اور جناب پروفیسر محمد صفدر سابق پرنسپل ایف جی سرسید سکول راولپنڈی کی طرف سے مشترکہ طور پر عامر چیمہ شہید کو پیش کئے گئے خراجِ تحسین کے مندرجہ ذیل الفاظ سے بخوبی کیا جاسکتا ہے:

"عامر سرسید کالج میں ہمارا شاگرد تھا، دو سال ہمارے پاس گزارے، لیکن اس میں کوئی بری عادت نہیں دیکھی، وہ خاموش طبیعت کا مالک تھا، لیکن اس موقع پر اس نے جو کام کیا، وہ اربہا مسلمانوں پر نمبر لے گیا۔

ہم کافی عرصے سے اس بات کو ترس رہے تھے کہ دیکھیں کون علم دین شہید کی راہ پر چل کر اپنی عاقبت سنوارتا ہے، عامر نے شہید ہو کر یہ بات ثابت کر دی ہے کہ امتِ مسلمہ ابھی بانجھ نہیں ہوئی ہے۔ عامر کی روح تو یقیناً جنت کے باغوں میں سیر کرتی ہوگی۔

بہر حال اس نے مسلمانوں کو جگا دیا ہے"۔

۱۹۹۵ء میں سرسید کالج راولپنڈی سے ایف۔ ایس۔سی مکمل کرنے کے بعد عامر چیمہ شہید بی۔ ایس۔ سی کے لئے نیشنل کالج اینڈ ٹیکسٹائل انجینئرنگ فیصل آباد چلے گئے۔

وہاں آپ نے بی۔ ایس۔سی کا امتحان نمایاں کامیابی کے ساتھ پاس کیا۔ فیصل آباد میں قیام کے دوران بھی آپ کا کردار مثالی رہا۔

آپ کے ایک ہم جماعت ہارون احمد خان ٹیکسٹائل انجینئر نے اپنے عظیم دوست کی یاد میں تازہ کرتے ہوئے کہا:

"عامر انتہائی جی دار، محبت کرنے والا، مخلص اور صحیح معنوں میں یاروں کا یار تھا۔ عامر اللہ کے نبی سے سچی محبت کرنے والا اور نبی ﷺ کے دشمنوں اور گستاخوں سے سخت نفرت کرنے والا تھا۔ وہ وعدہ کا پکا اور دوستوں کے مسائل حل کرنے کے لئے اپنی ذات کو نظر انداز کر دینے والا تھا۔"

اور اب آپ کا ارادہ تھا کہ تدریسی شعبہ سے منسلک ہو جائیں۔

اس سلسلے میں آپ یونیورسٹی آف منیجمنٹ ٹیکسٹائل لاہور میں تدریس کے خواہش مند تھے۔ تاہم اس کے لئے چونکہ ٹیکسٹائل انجینئرنگ میں پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کرنا ضروری تھا۔

لہٰذا آپ نے جرمنی کے شہر گلاڈباخ میں قائم یندرہن یونیورسٹی آف اپلائیڈ سائنسز مانشین میں داخلہ کے لئے درخواست بھیج دی۔

یہ درخواست کافی عرصہ تک تشنۂ جواب رہی۔ اس لئے آپ نے وقت کو استعمال کرنے کی خاطر ٹیکسٹائل انجینئرنگ کے شعبہ میں ملازمت اختیار کرلی۔ اس سلسلے میں آپ کراچی قائدآباد میں واقع الکرم ٹیکسٹائل ملز میں بطور انجینئر ملازم رہے اور پھر کچھ عرصہ آپ نے لاہور میں بھی ملازمت کی۔ملازمت کا یہ کل عرصہ تقریباً دو سال پر محیط رہا۔

لاہور میں ملازمت کے دوران ہی جرمنی سے یونیورسٹی کا جواب موصول ہوا کہ عامر چیمہ کی درخواست منظور کرکے انہیں داخلہ دے دیا گیا ہے۔اس جواب کے موصول ہوتے ہی آپ نے جرمنی جانے کی تیاری شروع کردی۔

پروفیسر محمد نذیر کہتے کہ عامر شہید اگرچہ اس وقت ملازمت کررہا تھا لیکن وہ ان بکھیڑوں میں پڑنے کی بجائے تدریس کی لائن کو ترجیح دیتا تھا اور اس کا ارادہ یہی تھا کہ وہ تدریس کرے، چنانچہ درخواست کا جواب موصول ہوتے ہی عامر جرمنی روانہ ہوگیا۔جرمنی میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے جانے کے حوالے سے پروفیسر صاحب نے یہ بھی بتایا کہ میں عامر کو یورپ یا امریکہ نہیں بھیجنا چاہتا تھا، کیونکہ مجھے اس کی جذباتی طبیعت اور یورپ کے ماحول کا بخوبی اندازہ تھا۔لیکن چونکہ چین یا جاپان وغیرہ کی بجائے داخلہ جرمنی میں ملا، اس لئے میں نے بادلِ نخواستہ عامر کو جرمنی بھیج دیا۔

عامر چیمہ شہیدؒ ۲۰۰۴ء میں جرمنی پہنچے اور ماسٹر آف ٹیکسٹائل اینڈ گلوزنگ مینیجمنٹ کے کورس کے لئے داخلہ لیا۔ یہ کورس چھ چھ ماہ کے چار مرحلوں (سمیسٹر) پر مشتمل ہے۔

عامر شہید نے کامیابی کے ساتھ دو سالہ کورس کے پہلے تین مراحل مکمل کئے اور اب چوتھا مرحلہ چل رہا تھا کہ آپ کی شہادت کا سانحہ پیش آگیا۔ جولائی ۲۰۰۶ء میں آپ کی تعلیم مکمل ہونی تھی کہ اس سے پہلے ہی آپ دنیائے فانی کو چھوڑ کر حیاتِ جاودانی پاگئے۔

گورارنگ، وجیہ چہرہ، باوقار شخصیت اور پاکیزہ فطرت کے حامل غازی عامر شہید رحمۃ اللہ علیہ ظاہری حسن کے ساتھ ساتھ باطنی خوبیوں سے بھی مالا مال تھے۔قدرت نے آپ کو بے پناہ اخلاقِ حسنہ سے نوازا اور اچھائیوں سے آراستہ و پیراستہ کیا تھا۔ یہ آپ کی بے شمار خوبیوں ہی کا نتیجہ ہے کہ آج گھر اور محلے کا ہر فرد آپ کو بہتر سے بہترین الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔

(جاری ہے)

☆......☆......☆



49

سلطان ٹیپو شہید رحمہ اللہ

عبدالحفیظ امیرپوری

پھر کہنے لگا۔ ”تم اپنے کسی معتبر آدمی کو بھیج کر انہیں یہیں بلالو۔

”قیامت کی اس فضا میں کون کس پر اعتبار کرے گا؟“

محمد علی کمیدان نے غمزدہ لہجے میں کہا۔

”تو پھر تم خود چلے جاؤ!“ آخر ترمک راو، علی محمد کمیدان کے فریب میں آگیا۔

اور پھر دوسرے دن سالار میسور اپنے سپاہیوں کے ہمراہ بیوی بچوں کو لانے کے لئے ترمک راؤ کے خیمے سے باہر نکلا۔

ترمک راؤ نے اپنی دانست میں بڑی ذہانت کا مظاہرہ کرتے ہوئے محمد علی کمیدان اور اس کے سپاہیوں سے ہتھیار رکھوالئے تھے۔

مرہٹہ سالار کے خیال میں یہ نہتے اس شیر کی مانند تھے، جس کے دانت توڑ دیئے گئے ہوں اور خونی پنجے کاٹ دیئے گئے ہوں۔

ترمک راؤ، میسور کے ان شیروں کو گیدڑوں سے بھی زیادہ بے ضرر سمجھ رہا تھا۔

محمد علی کمیدان اور اس کے ساتھی مسلسل آگے بڑھتے رہے۔ پھر جب رات آگئی تو سالار میسور اس مقام پر ٹھہرا، جہاں مرہٹہ سپاہیوں کا ہراول دستہ اپنی فوج کی حفاظت کے لئے خیمہ زن تھا۔

مرہٹوں نے مسلمان سپاہیوں کو دیکھا تو اپنی تلواریں کھینچ لیں۔ محمد علی کمیدان نے ان سے فریادی لہجے میں کہا۔

”ہم بنگلور کے بنجارے ہیں۔ اپنے مویشی فروخت کرنے سرنگا پٹم جارہے تھے کہ حیدرعلی نے ہمارا تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ یہ جسم پر یہ کپڑے باقی بچے ہیں۔

دو دن سے کچھ کھایا پیا نہیں ہے۔ ایک رات یہاں ٹھہر جانے دو۔ کہیں اندھیرے میں حیدرعلی کے سپاہی حملہ نہ کریں اور ہم اپنی جانوں سے بھی چلے جائیں۔“

ایک تو محمد علی کمیدان کی گریہ وزاری، دوسرے اس کی اور اس کے ساتھیوں کی شکستہ حالی، مرہٹہ سپاہیوں کو سالار میسور کی افسانہ طرازی پر یقین آگیا اور انہوں نے یہ کہہ کر ان بنجاروں کو رات بھر کے لیے قیام کی اجازت دے دی۔

”ایک طرف پڑ جاؤ مگر صبح ہوتے ہی یہاں سے چلے جانا۔ ہمارے اور حیدرعلی کے درمیان جنگ چھڑی ہوئی ہے۔“

محمد علی کمیدان نے مرہٹہ سپاہیوں کا شکریہ ادا کیا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر قریب ہی کچی زمین پر دراز ہوگیا۔ پھر اس نے اپنے ایک ایک سپاہی کو سرگوشیوں میں حکم دیا کہ کوئی سوئے نہیں، ہر شخص رات بھر جاگتا رہے۔

تمام سپاہی یہ سوچ کر پریشان تھے کہ ان کا سالار محفوظ راستے سے سرنگا پٹم جانے کے بجائے دشمن کے منہ میں کیوں آپڑا ہے؟ مگر محمد علی کمیدان کے دل کا راز کسی پر نہیں کھلتا تھا۔

آخر جب آدھی رات کے قریب سرد ہوا کے جھونکوں نے مرہٹہ سپاہیوں کو سلا دیا تو علی کمیدان اُٹھا اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا۔

”دبے پاؤں بلی کی طرح چلتے ہوئے مرہٹوں کے سروں پر پہنچ جاؤ اور ان ہی کے ہتھیار لے کر ان پر حملہ کردو!“

بڑا عجیب حکم تھا۔ مگر ہر سپاہی اپنے سالار کا حکم ماننے کے لئے مجبور تھا۔ تمام مرہٹے بے خبر سوئے ہوئے تھے اور جنگل کی کھلی فضا میں ان کے خراٹے اس بات کا اعلان کر رہے تھے کہ ترمک راؤ کے سپاہیوں اور مردہ انسانوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

محمد علی کمیدان اور اس کے سپاہیوں نے مرہٹوں کی گہری نیند سے خوب فائدہ اٹھایا۔

پھر جب تک مرہٹے سنبھلتے اور صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کرتے، اس وقت تک محمد علی اور اس کے ساتھی اپنا مقصد حاصل کر چکے تھے۔

رات کی تاریکی اور نیند کا خمار، غرض یہی دونوں مرہٹوں کی ہلاکت کا سبب بن گئیں۔

محمد علی کمیدان اور اس کے سپاہیوں نے صبح ہونے سے پہلے تمام مرہٹوں کو قتل کر ڈالا اور ان کا سارا جنگی سازوسامان چھین کر سرنگا پٹم پہنچ گیا۔

محمد علی کمیدان کے پہنچتے ہی سرنگا پٹم میں ایک ہلچل مچ گئی تھی۔ تینوں رانیاں بہت زیادہ پریشان نظر آرہی تھیں، کرشن اور گیانی وبے آئند انہیں بار بار تسلیاں دے رہے تھے۔

محمد علی کے سرنگا پٹم آنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔؟ وہ میدان جنگ سے بھاگا ہوا سپاہی ہے، جسے سرنگا پٹم میں چند روز سے زیادہ امان نہیں مل سکتی۔ تو اب حیدر اور ٹیپو سلطان دونوں یہاں سے جا چکے ہیں۔

اگر وہ زندہ ہوتے تو قلعے میں ان کی آمد کا جشن ضرور ہوتا کیوں رانیا؟'' کرشن راؤ نے اپنے نائب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''تیری اطلاعات کیا ہیں؟''

''مگر ترمک راؤ، سرنگا پٹم پر حملہ کیوں نہیں کرتا؟ رانی لکشم مانے پورنیا کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''آخر وہ اپنا لشکر لئے ہوئے خاموش کیوں پڑا ہے؟ اسے کسی بات کا انتظار ہے؟''

رانی لکشم ما ایک ذہین عورت تھی۔ اس کے سوال نے گیانی وجے آنند کو بھی چونک جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

''مہارانی کا یہ نکتہ یقیناً قابل غور ہے۔'' گیانی نے بڑے عجیب انداز میں اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔

''قابل غور نہیں!'' رانی لکشم مانے غصے میں گیانی کو جھڑک دیا۔

''مجھے یقین نہیں آرہا ہے کہ حیدر علی مر چکا۔''

''مہارانی کی بے یقینی کی وجہ؟'' وجے آنند نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اگر حیدر علی مر چکا ہوتا تو اس کے خاندان والوں نے اپنے گریبان پھاڑ لئے ہوتے اور پورا محل شورِ ماتم سے گونج رہا ہوتا۔'' رانی لکشم ما انتہائی غضب ناک نظر آرہی تھی۔

''قلعے کے مکینوں کا یہ سکوت، یہ سناٹا، بے سبب نہیں ہے۔ میں حیدر علی کو خوب جانتی ہوں، وہ بڑا بازی گر ہے۔

اس نے کئی بار موت کو بھی دھوکا دیا ہے۔''

غصے کی زیادتی کے باعث رانی ہذیان بکنے لگی تھی۔

'' اس نے اس بار بھی ترمک راؤ کو دھوکا دے دیا ہوگا۔ میرے نصیب ہی ایسے ہیں۔

میں ابھاگن، میسور کی آزادی کا خواب دیکھتے دیکھتے شمشان کی راکھ بن جاؤں گی۔''

مایوسیوں نے چاروں طرف سے رانی لکشم ما کو گھیر لیا تھا۔

''کرشن تو خود ترمک راؤ کے پاس جا اور اسے میری طرف سے سرنگا پٹم پر حملہ کرنے کی دعوت دے۔''

کرشن راؤ فطرتاً بزدل تھا۔ اس لئے رانی کا حکم سن کر بدحواس نظر آنے لگا۔ مگر گیانی وجے آنند

کی مداخلت نے جلد ہی اس کی مشکل آسان کر دی۔

"نہیں مہارانی! ابھی فضا اتنی صاف نہیں ہے کہ آپ کا جاسوس تمام خطرات سے بے نیاز ہو کر ترمک راؤ سے ملاقات کر سکے۔" گیانی وجے آنند نے رانی لکشم ما کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"جہاں برسوں انتظار کی تکلیف برداشت کی ہے، وہاں چند روز کی خلش اور سہی۔

حیدر علی کی زندگی کا سورج یقیناً ڈوب چکا ہے مگر ابھی اس کے کچھ جانثار باقی ہیں۔ بہت جلد یہ بھی میدان چھوڑ دیں گے۔

پھر آپ کے خواب کی حسین تعبیر لے کر صبح طلوع ہوگی اور رام راج رانی سرزمین میسور کے گوشے گوشے میں پھیل جائے گی۔"

بظاہر گیانی وجے آنند اور کرشن راؤ انتہائی پُر جوش لہجے میں باتیں کر رہے تھے مگر وہ خود بھی اندر سے بہت زیادہ ڈرے ہوئے تھے۔

سرنگا پٹم پر مرہٹوں کے حملے میں جس قدر تاخیر ہوتی جا رہی تھی اس قدر ان کے دل بھی ڈوبتے جا رہے تھے۔ میسور کی رانیوں اور ان کے حامیوں نے نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کو مردہ تصور کر لیا تھا۔

مگر یہ دونوں باپ بیٹے انتہائی راز داری کے ساتھ مل کے تہہ خانے میں بیٹھ کر ترمک راؤ سے جنگ جاری رکھنے کے لئے نئی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔

محمد علی کمیدان اور شجاعت خان، سرنگا پٹم کے گرد و نواح میں گھوم کر نئی فوج بھرتی کر رہے تھے۔ نواب حیدر علی نے اپنے خزانے کے منہ کھول دیئے تھے۔

نتیجتاً پندرہ دن کے مختصر سے عرصے میں والیٔ میسور کے پاس بارہ ہزار پیارے جمع ہو گئے۔ نواب حیدر علی کھلے میدان میں ترمک راؤ کا مقابلہ کرنا چاہتا تھا۔

مرہٹہ سالار بڑی بے چینی سے محمد علی کمیدان کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ مگر جب ایک ماہ بعد ترمک راؤ کو خبر ملی کہ محمد علی کمیدان اس کے سینکڑوں سپاہیوں کو قتل کر کے سرنگا پٹم پہنچ گیا ہے تو اسے اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا۔

ترمک راؤ بہت برہم تھا۔ محمد علی کمیدان کے فرار ہونے کا غصہ اس نے میر علی رضا خان اور دوسرے مسلمان سرداروں پر اُتارا اور انہیں فوراً ہی سخت سزائیں دے کر پیشوائے پونا، مادھو راؤ کے پاس روانہ کر دیا۔

پھر وہ یسین خان کے خیمے میں آیا۔

"نواب! میرے خیال میں یہی مناسب ہے کہ تم اپنی حرم سرا اور شہزادوں کو یہیں بلا لو۔ پھر پونا پہنچ کر جو پیشوا کا حکم ہوگا، اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

اب میں زیادہ دن انتظار نہیں کر سکتا۔ تمہیں

صرف ایک ہفتے کی مہلت دیتا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے ترمک راؤ کا لہجہ تلخ ہوگیا تھا۔‘‘

یسین خان بھی غضب کا چالاک تھا۔اس نے ترمک راؤ کی تلخ اور ناگوار گفتگو سن کر اسطرح سر جھکالیا کہ وہ واقعتا نواب حیدرعلی ہے۔

یسین خان نے خاموشی ہی میں عافیت سمجھی تھی وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی کسی حرکت سے ترمک راؤ کو شک ہو جائے اور پھر سارا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے۔

یسین خان کی چال یہ تھی کہ ترمک راؤ اسے اس وقت تک حیدرعلی سمجھتا رہے، جب تک والی میسور اپنی منتشر طاقت کو سمیٹ کر دوبارہ جنگ کے لئے تیار نہ ہوجائے۔

اس لئے یسین خان اکثر اوقات خاموش رہ کر اپنی شخصیت کو پردے میں چھپائے رہتا تھا۔

آج بھی جب ترمک راؤ نے اسے تنبیہہ کی تو وہ حسب سابق اپنے ہونٹوں پر مہر خاموشی لگاتے دشمن کی گفتگو سنتا رہا۔

’’نواب !یہ میری طرف سے آخری مہلت ہے،اس کے بعد میں کوئی عذر نہیں سنوں گا۔‘‘

یہ کہہ کر ترمک راؤ،یسین خان کے خیمے سے نکل گیا۔

مرہٹہ سالار کے جاتے ہی یسین خان نے دل ہی دل میں ترمک راؤ کو کئی غلیظ گالیاں سنا ڈالیں۔

’’حرام کارا! تو نواب بہادر کے حرم کو قیدی بنا کر پیشوا کے دربار میں پیش کرے گا؟ تیری یہ حسرت دل کی دل ہی میں رہ جائے گی اور تو والی میسور کی گرد کو بھی نہیں پاسکے گا۔‘‘

وقت تیزی سے گزر رہا تھا اور ترمک راؤ کی دی ہوئی مہلت میں ایک دن باقی تھا کہ یسین خان کا راز فاش ہوگیا۔

واقعہ یوں تھا کہ پورنیا کی ہمدرد ہندو نوکرانی آرتی مسلسل اس ٹوہ میں لگی ہوئی تھی کہ نواب حیدر علی کے بارے میں کوئی خبر ملے اور وہ اس خبر کو پورنیا تک پہنچا کر اس کی نظروں میں سرخرو ہو جائے۔اتفاق سے ایک دن نواب حیدرعلی کی کنیز خاص شمسہ اسے مل گئی۔شمسہ،آرتی کی شناسا تھی۔

شمسہ اس وقت والئی میسور کے لئے کھانا لے کر جارہی تھی۔آرتی نے جب اس سے پوچھا کہ وہ کہاں جارہی ہے تو شمسہ رواداری میں یہ بات کہہ گئی کہ وہ نواب بہادر اور شہزادے کے لئے کھانا لے کر جارہی ہے۔

آرتی کو گوہر مراد مل گیا۔شمسہ کے جاتے ہیں وہ دیوانہ وار بھاگتی ہوئی راج محل پہنچی اور پورنیا کو بتا دیا کہ نواب حیدرعلی اور ٹیپو سلطان قلعے میں کسی خفیہ مقام پر موجود ہیں۔

آرتی کی اس اطلاع سے میسور کی رانیوں میں صف ماتم بچھ گئی اور ایک بار پھر ان کی اُمیدوں کے چراغ بجھ گئے۔رانی لکشمی مانے فوراً کرشن

راؤ کو سری رنگ ناتھ کے مندر بھیجا پھر ایک ہندو پجاری یہ خبر لے کر ترمک راؤ کی اس فوج تک پہنچا جو دارالحکومت سے پندرہ میل کے فاصلے پر خیمہ زن تھی۔ پھر یہ خبر سپہ سالار ترمک راؤ تک پہنچ گئی کہ نواب حیدر علی قلعے میں موجود ہے۔

ترمک راؤ غصے سے کانپتا ہوا یسین خان کے خیمے میں داخل ہوا اور گرج کر بولا۔

"بہروپیے! مجھے بتا کہ تو کون ہے؟"

یسین خان، ترمک راؤ کے لہجے سے سمجھ چکا تھا کہ اس کا راز فاش ہو چکا ہے، اس لئے وہ بڑے تحقیر آمیز انداز میں مسکرانے لگا۔

"ترمک راؤ! تجھے بہت دیر میں خبر ہوئی کہ میں کون ہوں؟"

"پہلے میں تیرے نواب کو زنجیر پہنا دوں، پھر تجھے بڑی دردناک سزا دوں گا۔"

یہ کہہ کر ترمک راؤ، یسین خان کے خیمے سے نکل گیا۔

مرہٹہ سالار عالم وحشت میں اپنے سر کے بال نوچ رہا تھا۔

"افسوس! میں نے کیسا قیمتی وقت ضائع کر دیا اور ڈیڑھ ماہ تک ایک بہروپیے کو نواب حیدر علی سمجھتا رہا۔"

پھر وہ شدید حالت غضب میں اپنا پورا لشکر سمیٹ کر سرنگا پٹم کی طرف بڑھا اور دارالحکومت کا محاصرہ کرا لیا۔

مرہٹوں نے کوہ گری گنہ پر قبضہ کر لیا تھا اور وہاں سے قلعے پر گولہ باری کر رہے تھے جس سے حیدر علی کی فوج کو سخت نقصان پہنچ رہا تھا۔

مجبوراً والئ میسور نے کھلے میدان میں ترمک راؤ سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب محمد علی کمیدان کو حیدر علی کے ارادے کا علم ہوا تو اس نے اجازت چاہی کہ پہلے اسے قسمت آزمائی کا موقع دیا جائے۔

☆......☆......☆

اچھی باتیں

☆ کوئی آئینہ انسان کی اتنی اچھی تصویر نہیں دکھا سکتا جتنی کہ اس کی گفتگو۔

☆ جو سر جھکا کر چلتے ہیں ان کی والدین سر اٹھا کر چلتے ہیں اور جو سر اٹھا کر چلتے ہیں ان کے والدین سر جھکا کر چلتے ہیں۔

☆ دولت کو خوش نصیبی سمجھنا ہی انسان کی بدنصیبی کا ثبوت ہے۔

☆ ایک آدمی نے ایک بزرگ سے پوچھا، جب ہماری قسمت پہلے سے لکھی ہوئی ہے تو ہمیں دعا مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟

بزرگ نے جواب دیا:

ہو سکتا ہے تمہاری قسمت میں یہی لکھا ہو کہ جب تو مانگے تو تجھے ملے۔

سلمیٰ حفیظ

چالیس احادیث

چالیس کہانیاں

کیسا آئینہ



محمد فیصل علی

وزیر باتدبیر اپنے مصاحبوں کے ساتھ بازار کا دورہ کر رہا تھا۔ چاروں طرف ہٹو بچو کی صدائیں تھیں۔ وزیر نے پورے بازار کا دورہ کیا اور مختلف دکانوں پر رک کر ان کے سامان کو چیک کیا۔

اچانک ایک غلام اس کی طرف بڑھا۔ وزیر نے اسے دیکھا تو حیران ہوا۔ سپاہیوں نے اسے روکنا چاہا مگر وزیر نے منع کر دیا۔

وہ غلام وزیر کے نزدیک پہنچا اور سرگوشی کرتے ہوئے کہا:

”حضور! آپ کی پگڑی پر ایک داغ لگا ہوا ہے جو بہت ہی بدنما لگ رہا ہے۔“

”اور یہ تم نے مجھے آہستہ آہستہ کیوں بتایا؟“

وزیر نے حیرت سے پوچھا۔

جناب عالی! ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اَلْمُؤْمِنُ مِرْآۃُ الْمُؤْمِنِ

ترجمہ: مومن مومن کا آئینہ ہے

اور آپ جانتے ہیں کہ آئینہ جب ہمیں ہمارے عیب کے بارے میں بتاتا ہے تو چپکے سے بتاتا ہے اور کسی کو پتا بھی نہیں چلتا۔“

غلام نے انکساری سے جواب دیا۔

اس کی باتیں سن کر وزیر بڑا خوش ہوا۔

اس نے اپنے مصاحبوں سے شکوہ کیا اور کہا کہ تم میرے کیسے مصاحب اور دوست ہو کہ تم نے میری رہنمائی نہیں کی۔

وہ اپنے مصاحبوں پر ناراض ہوا اور پھر اس نے اس غلام کو خرید کر اسے آزاد کر دیا اور بولا:

”اے میرے سچے دوست! کیا تم میرے مصاحب بننا چاہو گے؟“

غلام اس عزت افزائی پر بہت خوش ہوا اور پھر اس نے وزیر کی پیش کش قبول کر لی۔

☆......☆......☆



مسجد نبوی کے قریب ایک خیمے میں صحابہ کرامؓ جمع تھے۔ایک ۳۷ سالہ صحابی حضرت سعد بن معاذؓ کا ہاتھ شدید زخمی تھا۔

یہ خیمہ ایک خاتون ڈاکٹر کا کلینک تھا جو فن جراحت میں کمال رکھتی تھیں۔اس وقت خیمے میں اس زخمی کا علاج معالجہ جاری تھا۔

وہ خاتون صحابیہ ادویات اکٹھی کر رہی تھیں اور زخم کو داغنے کے لیے اپنا آلہ بھی گرم کر رہی تھیں۔سرکار دو عالم ﷺ خود بھی موجود تھے۔پھر آپ ﷺ ان صحابی کا زخم داغنے کے لیے خود بنفس نفیس آگے بڑھے اور زخم کو داغ دیا۔اس کے بعد ان خاتون صحابیہ نے ان کا علاج معالجہ جاری رکھا مگر وہ صحابی جانبر نہ ہو سکے اور چند روز بیمار رہنے کے بعد شہادت سے سرفراز ہوئے۔ ان کی وفات پہ ان خاتون ڈاکٹر صحابیہ کو بہت دکھ ہوا۔

آئیے بوجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ خاتون صحابیہ کون تھیں؟

حضرت محمد ﷺ مدینہ منورہ پہنچے تو انہوں نے دیگر خواتین کے ساتھ مل کر حضور ﷺ کا ستقبال کیا۔وہ ان خواتین میں سے ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے فوراً بعد اسلام قبول کر لیا تھا۔

ان کا خاندان قبیلہ بنو اسلم سے تعلق رکھتا تھا۔اس خاندان کی وجہ شہرت طب تھی۔یہ سب طب کے شعبے میں ماہر تھے۔انہوں نے بھی یہ علم

وفن سیکھا اور پھر اپنی خدمات اسلام کے لیے وقف کر دیں۔ انہیں پہلی مسلمان ڈاکٹر خاتون قرار دیا جاتا ہے۔

آپ ﷺ نے انہیں مسجد نبوی کے پاس اپنا خیمہ لگا کر کلینک بنانے کا حکم دیا تھا بلکہ بعض مواقع پر تو ضرورت کی وجہ سے ان کا خیمہ مسجد نبوی کے اندر ایک کونے میں بھی لگا رہا۔

انہوں نے نہ صرف خود اس شعبے میں خدمات سرانجام دیں بلکہ دیگر مسلمان خواتین کی بھی تربیت کی اور انہیں طب کا علم سکھایا، یوں ان کی بدولت درجنوں خواتین علم طب وجراحی سے روشناس ہوئیں اور طب کے شعبے کو تقویت ملی۔ پھر بہت سے غزوات میں ان صحابیہ اور ان کی دیگر شاگرد نرسوں نے زخمیوں کے علاج معالجے میں اپنی خدمات پیش کیں۔

غزوہ خیبر میں اس گروہ نے اس قدر خدمات سرانجام دیں کہ آپ ﷺ نے انہیں مال غنیمت میں سے باقاعدہ حصہ مرحمت فرما کر حوصلہ افزائی فرمائی۔

نوٹ: ان صحابیہ رسول ﷺ کو پہچانیں اور اجر پائیں۔

وہ کون تھے شمارہ جمادی الاولیٰ
کا درست جواب:
حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ

وہ کون تھے؟؟

شمارہ جمادی الاول ۱۴۴۵ھ کے انعام یافتہ

مقدس بانو

درست جواب ارسال کرنے والے دیگر قارئین

دانیال حسن۔ عمار حسین۔ بنت عبد الہادی۔ خرم علی۔
شفقت نور۔ علی عباسی۔ سلمیٰ بیگ۔ عائشہ عبد الجبار۔
کفایت اللہ۔ محمد عمر چغتائی۔ عبد المجید شاکر۔ صادقہ مریم

بقیہ: فرزند حجاز

”لیجیے! ان مسائل کے جوابات موطا امام مالکؒ کی روشنی میں لکھئے۔“

محمد بن ادریس نے کاغذ قلم ہاتھ میں لیے اور بسم اللہ کہہ کے کتاب اللہ، سنت رسول اور اجماع امت کی روشنی میں تمام مسائل کے جوابات لکھ دیئے اور کاغذ امام محمد کی طرف بڑھا دیا۔

امام محمد کچھ دیر تک جوابات بڑی توجہ سے پڑھتے رہے اور پھر اپنے خادم کو بلوایا۔

”جی آقا! کیا حکم ہے؟“ خادم نے نہایت ادب واحترام سے گزارش کی۔

”انہیں گھر لے چلو!“ امام محمد نے محمد بن ادریس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور پھر محمد بن ادریس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”چلیے! آپ خادم کے ہمراہ غریب خانے پر تشریف لے چلیے!“ محمد بن ادریس کسی تکلف کے بغیر خادم کے ساتھ ہولیئے۔

جب وہ مسجد کے صدر دروازے پر پہنچا تو خادم نے بڑے احترام سے کہا۔

”آقا کا حکم ہے کہ مکان تک میں آپ کو سواری پر لے کر جاؤں۔ اس لیے آپ چند لمحے یہیں انتظار فرمائیے!“ یہ کہہ کر خادم ایک طرف چلا گیا۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ ایک آرام دہ زین اور نفیس جھالروں اور موتیوں سے آراستہ خچر لے کر آ گیا۔

محمد بن ادریس جب اپنے پھٹے پرانے لباس کے ساتھ اس سجے سجائے خچر پر سوار ہوئے تو اپنے چیتھڑوں پر انہیں بڑی شرم آئی۔

اپنی مفلسی انہیں بری طرح کھٹکنے لگی۔ راستہ بھر وہ اپنے لباس اور خچر کی سجاوٹ بناوٹ دیکھ کر شرمندہ شرمندہ سا رہے۔

خادم خچر کی لگام تھامے کوفہ کے بارونق شاہراہوں اور بازاروں سے گزر رہا تھا۔ محمد بن ادریس کبھی خادم کے صاف ستھرے لباس کو دیکھتا اور کبھی اپنے چیتھڑوں کو۔ پھر شرم و ندامت سے گردن نیچی کر لیتا۔

تھوڑی دیر بعد ایک عالیشان حویلی کے سامنے خادم نے خچر روک دیا۔ حویلی کے صدر دروازے پر نقش ونگار بنے ہوئے تھے۔

یہ دیکھ کر محمد بن ادریس کو اہل حجاز کی غربت اور ناداری یاد آ گئی اور بے اختیار اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

”افسوس اہل عراق تو سونے چاندی سے اپنے گھروں کو سجائے ہوئے ہیں اور اہل حجاز گوشت کی بوٹیوں اور سوکھی گٹھلیوں کو ترس رہے ہیں۔“ اس کی زبان سے بے تابانہ یہ الفاظ نکلے۔

اسی دوران امام محمد بھی پہنچ گئے۔ حجازی لڑکے کو روتا دیکھ کر ان کے ذہن میں کوئی اور خیال دوڑا۔ وہ انتہائی سادگی سے گویا ہوئے۔

”برخوردار! یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں اس سے آپ کوئی بری رائے قائم نہ کریں۔ یہ جو کچھ بھی آپ دیکھ رہے ہیں بفضل خدا سب حلال کمائی کا ہے۔ خدا کی توفیق سے میں ہر سال زکوٰۃ کی پائی پائی پوری پابندی سے ادا کرتا ہوں۔

مجھے یقین ہے کہ خدا اس کی زکوٰۃ کے لیے میری پکڑ نہیں فرمائے گا۔ میرے دوست دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں۔ جب دشمنوں کی نگاہ پڑتی ہے تو ان کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگتے ہیں۔“

اسی دوران اُنھوں نے محمد بن ادریس کو مہمان خانے میں بٹھایا اور خود اندر چلے گئے۔

تھوڑی دیر میں جب وہ مہمان خانے میں آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک نہایت ہی نفیس جوڑا تھا۔ یہ جوڑا مہمان کی طرف بڑھاتے ہوئے اُنھوں نے کہا۔

”اسے پہن لیجیے! یہ ایک بھائی کا اپنے بھائی کے لیے محبت کا تحفہ ہے۔“

جب مہمان نے نئے کپڑے زیب تن کر لیے تو امام محمد ان کو کھانے کے کمرہ میں لے گئے۔ دسترخوان پر بہترین کھانے موجود تھے۔ فرزند حجاز کو ایک بار پھر اہل حجاز یاد آئے۔

درد کی سرکش لہریں دل و دماغ سے اُٹھیں لیکن اسے میزبان کی فراخدلانہ تواضع کا لحاظ تھا اس لیے چپ چاپ سر جھکائے کھانا کھاتا رہا۔

مہمان کے کھانے کی رفتار بہت سست تھی۔ امام محمد بار بار ٹوکتے۔

”صاحبزادے! تمھارے تکلف سے مجھے الجھن ہو رہی ہے۔ تم اس اجنبیت کو ختم کیوں نہیں کر دیتے۔ یہ تمھارا اپنا گھر ہے۔“

امام محمد جذبے کی صداقت اور دل کی گہرائی سے یہ بات کہہ رہے تھے۔ ان کی مہمان نوازی میں تکلف اور بناوٹ کا شائبہ تک نہ تھا۔ جب وہ اصرار کرتے تو محمد بن ادریس کھانے میں دلچسپی لینے لگتا۔

طبیعت کی فطری بے رغبتی کے باعث وہ کم عمری ہی میں لباس اور خوراک کی سنہری زنجیروں سے ہمیشہ ہی آزاد رہا تھا۔

وہ خوش پوشاکی اور خوش خوراکی اسی صورت میں پسند کرتا تھا کہ جب تمام مسلمان خدا کی ان نعمتوں سے فیضیاب ہوں۔

کھانے سے فراغت کے بعد اُنھوں نے نماز عشاء ادا کی اور پھر امام محمد اپنے مہمان کو اپنے کتب خانے میں لے گئے۔ اس نے اب تک اپنی زندگی میں اتنی کتابوں کا ذخیرہ نہیں دیکھا تھا۔ وہ اپنے فطری ذوق مطالعہ سے مجبور ہو کر سوچنے لگا کہ کاش اسے اس میں کتابوں کے پڑھنے کا موقع میسر آجائے۔ اس دوران امام محمد

نے ایک کتاب اُٹھائی اور مہمان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''صاحبزادے! اسے دیکھو!'' محمد بن ادریس نے بڑے ادب سے وہ کتاب لے لی اور کھڑے کھڑے اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ یہ امام محمد کے استاد امام ابوحنیفہ کی مشہور تالیف تھی۔

امام محمد کتاب دے کر سونے کے لیے چلے گئے۔ مگر محمد بن ادریس کی آنکھوں سے نیند بہت دور تھی۔ علمی مجلس اور کتاب کی موجودگی کے باعث وہ دُنیا کی ہر چیز سے بے نیاز ہو جاتا تھا۔

آج بھی ایسا ہی ہوا۔ امام اعظم کی تصنیف دیکھی تو اس قدر طویل سفر کی تھکن بھول گئے۔ وہ اپنے گرد و پیش سے بے خبر ہو کر کتاب پڑھنے لگا۔

کوفے کے اکثر باشندوں نے نرم بستروں میں سوتے ہوئے وقت گزار دیا تھا۔

مگر محمد بن ادریس ایسا شب بیدار طالب علم تھا کہ وہ ساری رات کتاب پڑھتا رہا اور جب وہ کتاب کی آخری سطر ختم کر رہا تھا تو قریب کی مسجد سے موذن کی صدا بلند ہو رہی تھی۔

''اللہ اکبر، اللہ اکبر''

اذان سنتے ہی اس نے کتاب رکھ دی اور زیر لب کہا:

''واقعی اللہ ہی سب سے بڑا ہے''

صبح ہونے سے پہلے ہی وہ پوری کتاب حفظ کر چکا تھا۔ مسجد میں نماز فجر کی ادائیگی کے بعد وہ امام محمد کے ہمراہ واپس گھر کو آرہا تھا جب امام محمد نے اس کی مزاج پرسی کرتے ہوئے کہا۔

''رات کیسی گزری؟''

''علم کے زیر سایہ بسر ہونیوالی راتیں بڑی پرسکون ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بے نوا بندے کو گزشتہ رات وہ طمانیت بخشی کہ جسے تمام عمر بھلا نہ سکوں گا''

محمد بن ادریس نے شگفتہ لہجے میں جواب دینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا مگر اس کے چہرے سے رت جگے کے آثار نمایاں تھے۔

''حضرت! جس طرح آپ نے ایک غریب الوطن طالب علم کو اپنی محبتوں سے سرفراز فرمایا۔

اس احسان کی شکر گزاری کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں''

''نہیں صاحبزادے! یہ کوئی احسان نہیں۔ تم اسی محبت و احترام کے حقدار ہو''

امام محمد نے اپنی مہمان نوازی کی بات کا رخ موڑنے کے لیے پوچھا۔

''تم نے وہ کتاب دیکھی تھی یا سفر کی تکان نے تمھیں گہری نیند سلا دیا؟''

''رات بھر جاگتا رہا'' اس نے آہستہ لہجے میں جواب دیا۔ شب بیداری کے باعث اس کے اعصاب بوجھل ہو رہے تھے۔ کتاب پر نظر ڈالی مگر اس کا ادراک آسان کام نہیں تھا۔

کہاں امام اعظم اور کہاں علم کا ایک پریشان

حال کو چہ گرد۔ اس نے امام ابو حنیفہ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا۔

"میرے لیے تو یہ شرف ہی کافی ہے کہ میں نے اس فقیہ اعظم کی تصنیف کو چھولیا اور اس کی تحریر سے اپنی آنکھوں کو منور کر لیا۔"

یہ اعتراف حقیقت تھا لیکن اس کے باوجود اس نے اپنے میزبان کو یہ نہیں بتایا کہ اس نے ایک ہی رات میں پوری کتاب حفظ کر لی ہے۔

گھر پہنچ کر میزبان نے مہمان کے سرہانے رکھی ہوئی کتاب اُٹھالی۔ چند لمحے اس کی ورق گردانی کی اور مہمان سے کہا۔

"تم کافی تھکے تھکے سے نظر آرہے ہو۔ اب آرام کرو!" یہ کہہ کر میزبان چلے گئے۔ سفر کی تھکن اور رت جگے کے باعث مہمان کو لیٹتے ہی گہری نیند نے آلیا۔

امام محمدؒ کی شاگردی میں اسے کئی مہینے گزر چکے تھے۔ اس نے دیکھا کہ نہ صرف کوفہ و عراق بلکہ دیار عرب کے بڑے بڑے علما امام محمد کے علم و فتویٰ سے استفادہ کے لیے گاہے بگاہے ان کی بارگاہ علم میں حاضری دیتے ہیں۔

نئے حالات و زمانہ کی رعایت سے مسائل کی گتھیاں سلجھانے کی جو صلاحیت امام محمد اور ابو یوسف کو حاصل ہے وہ کسی اور جگہ اسے کم ہی نظر آئی۔

اس نے محسوس کیا کہ اہل حجاز کا علم حدیث اپنی ایک شان و عظمت رکھتا ہے لیکن روزمرہ پیچیدہ معاملات کی باریکیوں کو سمجھنا اور ان حالات میں قرآن و سنت کی روشنی میں رہنمائی دینے میں اہل کوفہ کی علمی مہارت زیادہ پختہ ہے۔

اس لیے اس نے علم فقہ کی تحصیل میں مزید وقت لگانا ضروری سمجھا۔

صاحبین کے استاد امام ابو حنیفہؒ کی رحلت کو تو ایک عرصہ بیت چکا تھا لیکن ان کی قائم کردہ علمی مجلس اب بھی جاری تھی۔ اس مجلس میں اسلامی علوم کے تمام شعبوں کے ماہرین جمع ہوتے تھے۔

قرآن کی بلاغت اور زبان کے شناور، حدیث کے حفاظ تفسیر کے شیدائی، فقہ کے اساتذہ، جدید علوم کے ماہرین۔

معاشرتی تبدیلیوں کے باعث پیدا ہونے والے مسائل کی ایک فہرست بنتی رہتی۔

ان مسائل میں سے ایک ایک مسئلے پر تحقیق اور ایک دوسرے کی علمی آرا سے استفادے کے لیے بحث و تمحیص کی مجلس کئی کئی دن برپا ہوتی۔

اختلاف آرا ہوتا، دلائل دیئے جاتے اور بالآخر کسی ایک نقطہ اعتدال پر سب کا اتفاق ہوتا یا اختلاف رہتا۔ دونوں صورتیں تحریر کر لی جاتیں اور عوام الناس کو فتوے سے آگاہ کر دیا جاتا۔

اس وقت کوفے میں امام محمدؒ ہی کے فتوے پر سب سے زیادہ اعتماد کیا جاتا تھا۔

☆......☆......☆

بقیہ: باقی سب ٹھیک ہیں

سے ہلکی پھلکی گفتگو کر رہے تھے کہ دس سالہ احسن سے بات چیت کرتے کرتے اچانک ایک گھسا پٹا سوال اُن کی نوکِ زبان پہ آ گیا

"بڑے ہو کر کیا بنو گے؟"

"سائنسدان" نجانے جواب بھی گھسا پٹا تھا یا اس نے سوچ سمجھ کر دیا تھا۔

"ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور ڈاکٹر عافیہ صدّیقی کا انجام دیکھنے کے بعد بھی!!" ابا میاں ایک دم تیزی سے بولے تھے۔ آنکھیں پھیل ہی تو گئیں اور پھر اُن کا سارا اُفو بیا ہی اُبل پڑا۔

"کیوں کرتے ہو ظلم اپنے بچوں پہ؟ کیوں سِکھاتے ہو ان کو حب الوطنی؟؟ کیا دیتی ہے یہ قوم اپنے محسنین کو؟؟ بتاؤ کیا دیا اس قوم نے ان دونوں کو؟؟ سِوائے سزاؤں اور اذیت کے کچھ نہیں دیا ۔ کچھ بھی تو نہیں دیا۔ کوئی ایک بھی عافیہ کو چھڑانے نہ گیا۔ تم چار دن ریلیاں نکال کر پھر ہاتھ پہ ہاتھ دھر کے بیٹھ جاتے ہو۔ کچھ نہیں کرتے ہو تم۔ تمہیں صرف ڈرامے دیکھنا ہیں۔ میچ کے جیتنے پہ نعرۂ تکبیر اللہ اکبر کا جھوٹا جذبہ دکھانا ہے۔ ہاں تم صرف میچ کے کھلونوں سے کھیل کر ہار جیت دکھاتے ہو اور سمجھتے ہو دُنیا نے تمہیں محبِ وطن سمجھ لیا!!

مگر یاد رکھو یہ طوطا چشمی اور دھوکہ دہی قیامت کے دن معاف نہ ہو گی، اُس دن ایک ایک نوجوان اور ایک ایک کرکٹر سے سوال ہو گا، کیا یہ تھا وہ جہاد، جس کا حکم تمہیں قرآن میں دیا گیا تھا"

کہتے کہتے وہ ہانپنے لگے۔ چند ثانیے گہرے گہرے سانس لیتے رہے۔۔ پھر گُلو گیر لہجے میں کہنے لگے۔ "تم فلمیں دیکھو، گانے گاؤ۔ شادیوں پہ مہندی سجاؤ اور ڈھولک بجاؤ، نقالی انڈیا کی کرو اور متاثر گوروں سے رہو، تمہیں اپنے محسنوں سے کوئی لگاؤ نہیں، وہ مریں یا زندہ لاشیں بنیں، تمہیں اِس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" کہتے کہتے اُن کا سانس پھول گیا۔ کچھ توقّف کے بعد اُنہوں نے اُنگلی اٹھائی اور چبا چبا کر کہنے لگے۔

"خبردار! اپنے کسی بھی بچے کو سُولی چڑھانے کی ضرُورت نہیں ہے۔ یہ قوم اپنے محسنین کو صرف تکلیف دینا جانتی ہے۔ اس ملک کے رکھوالے اس ملک کا دِفاع کرنے والوں کے دشمن ہیں۔ اور یہ قوم صِرف کپڑوں اور جوتوں کی شیدائی ہے۔ یہاں علم وفن سے کسی کو مطلب نہیں۔ یہاں جوتوں کی دوکان پہ ہی رش لگا ہوتا ہے۔ اس قوم کو جُوتوں کی ضرورت ہے۔ جوتے مارو اِس قوم کو۔ ہاں جُوتے مارو!"

آخری جملے پہ وہ چیخ ہی تو پڑے اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے جبکہ ہم سب اُن کو ہکا بکا دیکھتے رہ گئے تھے۔

☆......☆......☆



دانش کدہ

جہاں امام العقلاء، شاہ نبُلاء بوجھ بجھکڑ آپ کی مشکلات کے جواب دیتے ہیں

سوال: جناب بوجھ بجھکڑ صاحب! سردی شروع ہو رہی ہے اور مجھے زیادہ کپڑے پہننے سے الرجی ہے کوئی ایسا طریقہ بتائیں کہ زیادہ کپڑے بھی نہ پہنے جائیں اور سردی سے بھی بچت ہو جائے؟

☆ کوشش کریں کہ سردیاں باورچی خانے میں گزار لیں۔

(عظمیٰ شہزادی)

☆......☆......☆

سوال: جناب بوجھ بجھکڑ صاحب! ہمیں اپنا بچپن اور بچپنا بہت عزیز ہے کوئی ایسا نسخہ تجویز فرمائیے کہ ہم ہمیشہ ''بچے'' ہی رہیں؟

☆ بچپن اور بچپنا تو سب کو عزیز ہوتے ہیں لیکن آپ نے سوال میں یہ وضاحت نہیں کی کہ کس چیز سے بچے رہنا چاہتے ہیں؟

(سلمہ عبدالجبار)

☆......☆......☆

سوال: جناب بوجھ بجھکڑ صاحب! سچ بتائیے گا آپ کو اپنے روزمرہ کی مصروفیات میں سے سب سے زیادہ مشکل کام اور سب سے زیادہ آسان کام کون سے لگتے ہیں؟

☆ روزمرہ کا ہر کام بالکل آسان لگتا ہے اور ہر کام کرنا بہت مشکل۔

(عائشہ، ساہیوال)

☆......☆......☆

سوال: جناب بوجھ بجھکڑ صاحب! اگر آپ سیاستدان ہوتے تو موجودہ حالات میں کس سیاسی پارٹی میں ہوتے؟

☆ہماری بھی اپنی پارٹی ہوتی۔

(مقدس بانو)

☆......☆......☆

سوال: محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!
آپ کو کس رنگ کا سوٹ پہننا زیادہ پسند ہے؟ کالا، نیلا یا پیلا؟

☆کنپیلیلے رنگ کا سوٹ پسند ہے۔

(ابو بکر عباد)

☆......☆......☆

سوال: جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!
حاضر جوابی کا کوئی نسخہ عرض کر دیں۔ ہم بھی آپ سے کچھ مستفید ہونا چاہتے ہیں۔

☆اگر آپ ہم سے مستفید ہونا چاہتے ہیں تو خود حاضر جواب کیوں بننا چاہ رہے ہیں؟

(نور عالم)

☆......☆......☆

سوال: اگر غبارے میں پانی بھر دیا جائے تو وہ اڑتا کیوں نہیں ہے؟

☆اونچی پرواز وہی کر سکتے ہیں جو پیٹ کم بھرتے ہیں۔

(ہمشیرہ محمد احمد)

☆......☆......☆

سوال: جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!
ہمیں جوتے کھانے سے بچنے کے لئے کوئی فارمی ترکیب بتائیں؟

☆ان گندے بچوں سے دور رہا کریں جنہوں نے جوتے کھانے جیسی عادت میں ڈالا ہے۔

(سلمیٰ حفیظ)

☆......☆......☆

سوال: ہمیں آپ سے یہ دریافت کرنا ہے کہ آپ کے محل کدہ کے پاس جو درخت ہے وہ اس قدر اداس کیوں ہے؟

☆دانش اور اداسی کا آپس میں روٹی سالن کا ساتھ ہے۔

(سلمیٰ حفیظ)

☆......☆......☆



السلام علیکم!

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مسلمان بچے کے تمام قارئین کرام، لکھاری حضرات اور مدیر محترم حفظہ اللہ خیر و عافیت سے ہوں گے۔ خدا خدا کر کے تین مہینوں کے صبر آزما انتظار کے بعد ہمیں اس مہینے کا شمارہ موصول ہوا ہے۔ تین مہینوں میں ہی ہمیں اس رسالے کی اہمیت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ مسلمان سلسلہ بہت شاندار ہے۔ اسے جاری رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے قلم میں برکت دے آمین۔

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب ہمیشہ کی طرح اپنے لاجواب جوابات سے خوب محظوظ کرتے ہیں۔ تحریروں کی دنیا میں بھی کافی بہترین تحریریں تھیں۔ جھوٹوں کا جھوٹ، درویش ماں، کالی زبان اور ادھار زبردست تحریریں تھیں۔



بچے ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت ہے۔ جسے میں کبھی بھی نہیں کھونا چاہتی کبھی بھی نہیں۔

دسمبر کا شمارہ بہت زبردست اور اعلیٰ تھا۔ آدھی سے زیادہ تحریریں مسجد اقصیٰ کے متعلق تھی۔ سبھی تحریریں لاجواب اور عمدہ تھی۔ چالیس احادیث چالیس کہانیاں محمد فیصل بھائی علی کا یہ نیا آدھی ملاقات بھی بہترین تھی۔ غرض کہ پورا شمارہ ہی زبردست، لاجواب اور عمدہ تھا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اس رسالے کو خوب ترقیوں سے نوازے۔ آمین

''والسلام''

تسلیمہ موسیٰ

☆......☆......☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسلمان بچے کا شمارہ ملا۔ ماشاء اللہ ہر لحاظ سے خوبصورت تھا، سب ہی تحریریں اچھی تھی ان سے بہت سی مفید باتیں معلوم ہوئیں، اس کے علاوہ "غازی علم الدین سے غازی عامر چیمہ شہید تک" "اسلام کے جرنیل" سب ہی بہت اچھے جارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام لکھنے والوں کو اور رسالہ ترتیب دینے والوں کو اجر عظیم عطا فرمائیں، اور اللہ تعالیٰ آپ سب سے ہمیشہ دین کا کام لیتا رہے۔ (آمین) بھائی صاحب!

اس شمارے میں اپنا خط دیکھ کر بہت زیادہ خوشی ہوئی اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر عطا فرمائیں۔ امید ہے یہ خط بھی شائع فرما کر مزید حوصلہ افزائی فرمائینگے۔

والسلام

عظمیٰ شہزادی

☆......☆......☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سلام مسنون کے بعد عرض ہے کہ میں ہوں مسلمان بچے کا مجاہدین سے عقیدت رکھنے والا ایک قاری...... اس نے جہاد کے منکر لوگوں پر لگائی ضربِ کاری...... اس کی ہر ایک کہانی لگتی ہے بڑی پیاری...... پڑھیں تو سانسیں مسکراتی ہیں ہماری......تحریروں کی دنیا قارئین کرام نے ہے خوب نکھاری...... کہکشاں بھی کچھ کم نہیں ہے بچاری......آپ کی پسند تو در اصل پسند ہے ہماری......آدھی ملاقات کے ساتھ تو ہے ناانصافی......

والسلام

علی اعجاز

☆......☆......☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد از سلام عرض گزارش ہے کہ اللہ رب العزت آپ کو اپنی حفظ وامان میں رکھے اور آپ کو مکمل صحت یاب کریں آپ کو تمام حوادث اور فتنوں سے بچائے آمین

دعا کے بعد عرض یہ ہے کہ یہ میرا پہلا خط ہے جو ارسال کر رہا ہوں اس لئے آپ اس کو ٹوکری کی خوراک نہیں بنائیں گے۔

والسلام

فیصل اقبال

☆......☆......☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک عرصے سے "مسلمان بچے" کے قاری ہیں، لیکن "آدھی ملاقات" میں پہلی دفعہ شرکت کررہے ہیں، امید ہے کہ حوصلہ افزائی فرمائینگے۔ پہلے بھی چند چیزیں ارسال کی تھیں جن میں سے کچھ تو شائع ہوئی اور کچھ نہیں ہوئی۔ اب پھر چند چیزیں اور آرٹ گیلری بھیج رہے ہیں امید ہے شائع فرما کر حوصلہ افزائی فرمائینگے۔

اللہ تعالیٰ آپکی اور تمام مجاہدین کی نصرت فرمائیں اور علم و عمل اور زندگی میں برکت فرمائیں۔

میری طرف سے مسلمان بچے کے توسط سے حضرت مولانا مسعود ازہر صاحب حفظہ اللہ کو سلام پہنچے، اور ان کے لئے دعا کہ اللہ تعالیٰ ان کی قدم قدم پر حفاظت اور نصرت فرمائے۔

والسلام

اشفاق چوہدری

☆......☆......☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ!

امید ہے مسلمان بچے کی تمام ٹیم خیر و عافیت سے ہو گی۔ دسمبر کا شمارہ موصول ہوا۔ الحمد للہ سبھی تحریریں بہت اچھی تھی اور اداریہ تو بہت ہی شاندار تھا۔ اس میں ایک خاص سبق ہوتا ہے جو ہم سب کو بہت فیسینیٹ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مدیر محترم کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

آج کل فلسطین اور غزہ کے متعلق دل بہت پریشان ہے۔ ہر وقت انہی کا خیال رہتا ہے۔ یہاں لوگ بہت کم ہیں جو پرواہ کرتے ہیں۔ لیکن وہاں کے حالات سن کر اور دیکھ کر اپنے آپ پر دکھ اور افسوس ہوتا ہے کہ ہم یہاں ہر روز صبح اٹھ کر رات سونے تک اپنی زندگی میں مگن ہیں اور وہاں ہمارے مسلمان بھائی بہنیں بیٹیاں اور ہمارے بوڑھے مسلمان دنیا کے سب سے کمینہ فطرت دشمن کے ساتھ نبرد آزما ہیں۔

ہر نماز میں ان کے لئے دعا کرتا ہوں۔ اپنے لئے توفیق بھی مانگتا ہوں اور ان کے متعلق جستجو بھی کرتا رہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے۔ فلسطین کے پیارے مسلمان بھائیوں کے لئے کاش اس سے زیادہ کچھ اور کر سکتے۔

دسمبر کے شمارے میں بہت ساری کہانیاں فلسطین کے متعلق تھی۔ بہت شوق سے پڑھیں اور دوستوں کو بھی پڑھنے کے لئے دیں۔ فلسطین اور حماس کے بارے میں لوگوں میں بہت مس کینسپٹ ہے۔ لوگوں کے ذہنوں میں عجیب و غریب باتیں ہیں۔ بس اللہ تعالیٰ ہی رحم فرمائیں اور لوگوں کو سمجھ بوجھ عطا فرمائیں۔

دل اداس ہے اور غمگین۔ کچھ راستہ ہو تو دکھائیے۔ دل پریشان ہے اور ذہن منتشر۔ اس سلسلے میں کوئی ہدایت ہو تو دیجئے۔ دل پر مرہم تو رکھیے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق نصیب فرمائیں اور ہمارے غزہ کے پیارے بھائیوں اور بہنوں کو ساری امت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائیں۔ آمین

والسلام

محمد اباض، خیبر پختونخواہ

☆......☆......☆



فنگر پرنٹس

انسانی جسم کی انگلیوں میں لکیریں تب نمودار ہونے لگتی ہیں جب انسان ماں کے شکم میں 4 ماہ تک پہنچتا ہے یہ لکیریں ایک ریڈیائی لہر کی صورت میں گوشت پر بننا شروع ہوتی ہیں ان لہروں کو بھی پیغامات ڈی این اے دیتا ہے مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ پڑنے والی لکیریں کسی صورت بھی اس بچے کے جد امجد اور دیگر روئے ارض پر موجود انسانوں سے میل نہیں کھاتیں گویا لکیریں بنانے والا اس قدر دانا اور حکمت رکھتا ہے کہ وہ کھربوں کی تعداد میں انسان جو اس دنیا میں ہیں اور جو دنیا میں نہیں رہے ان کی انگلیوں میں موجود لکیروں کی شیپ اور ان کے ایک ایک ڈیزائن سے باخبر ہے یہی وجہ ہے کہ وہ ہر بار ایک نئے انداز کا ڈیزائن اس کی انگلیوں پر نقش کر کے یہ ثابت کرتا ہے۔

کہ ہے کوئی مجھ جیسا ڈیزائنر؟؟؟

کوئی ہے مجھ جیسا کاریگر؟؟؟

کوئی ہے مجھ جیسا آرٹسٹ؟؟؟

کوئی ہے مجھ جیسا مصور؟؟؟

کوئی ہے مجھ جیسا تخلیق کار؟؟؟

حیرانگی کی انتہاء تو اس بات پر ختم ہو جاتی ہے کہ اگر جلنے زخم لگنے یا کسی وجوہات کی بنیاد پر یہ فنگر پرنٹ مٹ بھی جائے تو دوبارہ ہو بہو وہی لکیریں جن میں ایک خلیے کی بھی کمی بیشی نہیں ہوتی ظاہر ہو جاتی ہیں۔

پس ہم پر کھلتا ہے کہ پوری دنیا بھی جمع ہو کر انسانی انگلی پر کسی وجوہات کی بنیاد پر مٹ جانے والی ایک فنگر پرنٹ نہیں بنا سکتی۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ

بنت نصیر

☆......☆......☆

اصل استاد

ایک بوڑھا آدمی ایک نوجوان سے ملا۔

نوجوان نے پوچھا: کیا آپ کو میں یاد ہوں؟

بوڑھا کہتا ہے کہ نہیں۔ پھر نوجوان نے اسے بتایا کہ وہ اس کا طالب علم تھا۔

استاد نے پوچھا: تم کیا کرتے ہو؟

نوجوان: میں ایک استاد ہوں۔

بہت خوب، میری طرح؟ بوڑھے نے پوچھا

ہاں درحقیقت، میں ایک استاد بن گیا کیونکہ آپ نے مجھے اپنے جیسا بننے کی ترغیب دی۔ نوجوان نے بتایا۔ بوڑھا، متجسس، نوجوان سے پوچھتا ہے کہ اس نے استاد بننے کا فیصلہ کس وقت کیا اور نوجوان نے اسے مندرجہ ذیل کہانی سنائی۔

ایک دن، میرا ایک دوست، جو ایک طالب علم بھی ہے، ایک اچھی نئی گھڑی لے کر آیا، اور میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے یہ چاہیے۔ میں نے اسے چوری کیا، میں نے اس کی جیب سے نکالا۔ تھوڑی دیر بعد، میرے دوست نے دیکھا کہ اس کی گھڑی غائب ہے اور فوراً ہمارے استاد سے شکایت کی، جو آپ تھے۔ پھر آپ نے کلاس سے مخاطب ہو کر کہا، اس طالب علم کی گھڑی آج کلاس کے دوران چوری ہو گئی۔ جس نے بھی چوری کی ہے پلیز واپس کر دو۔'' میں نے اسے واپس نہیں کیا کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا۔ آپ نے دروازہ بند کر دیا اور ہم سب کو کھڑے ہو کر ایک حلقہ بنانے کو کہا۔ آپ ایک ایک کر کے ہماری جیبیں تلاش کرتے رہے جب تک گھڑی نہ مل گئی تاہم، آپ نے ہمیں اپنی آنکھیں بند کرنے کو کہا، کیونکہ آپ صرف اس کی گھڑی تلاش کریں گے جب ہم سب آنکھیں بند کر لیں گے۔ ہم نے ہدایت کے مطابق کیا۔ آپ نے ہر جیب چیک کی ہر طالب علم کی اور جب آپ نے میری جیب چیک کی تو آپ نے گھڑی پائی اور لے لی۔ اس کے باوجود آپ سب کی جیبیں تلاش کرتے رہے، اور جب آپ کا کام ہو گیا تو آپ نے کہا کہ آنکھیں کھولو۔ ہمارے پاس گھڑی ہے۔ آپ نے مجھے نہیں بتایا اور آپ نے کبھی اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا۔ آپ نے کبھی نہیں کہا کہ گھڑی کس نے چرائی ہے۔ اس دن آپ نے میری عزت کو ہمیشہ کے لیے بچا لیا۔

کیا آپ کو یہ واقعہ یاد ہے، پروفیسر؟

بوڑھے پروفیسر نے جواب دیا، 'ہاں، مجھے چوری شدہ گھڑی کا حال یاد ہے، جسے میں ہر کسی کی جیب میں ڈھونڈ رہا تھا۔ مگر میں نے آپ کو یاد نہیں کیا، کیونکہ میں نے بھی دیکھتے ہوئے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

سبق: اگر آپ نے کسی کو درست کرنا ہے تو آپ کو اسے ذلیل نہیں کرنا ہوگا بلکہ اچھے طریقے سے اس کی تربیت کرنی ہوگی یہی ایک اچھے استاد کی نشانی ہے اچھے استاد قوم بناتے ہیں۔

میمونہ احمد



ہر سمت چھا رہے تھے
ظلمت کے ہی اندھیرے
غلامی کی زنجیریں
پہنے ہوئے پڑے تھے
لڑکی ہوئی تو زِندَہ
دَرْگور کر رہے تھے
انسان تھے کہ حیواں
سمجھ نہ پا رہے تھے
بتوں کے تھے پجاری
سجدے میں سر جھکائے
فریاد اپنی سب ہی
ان کو سنا رہے تھے
جو نہ تھے سننے والے

نہ بول ہی تھے سکتے
اہل عرب کو وہ تو
پاگل بنا رہے تھے
اللہ کی رحمتوں سے
روشن چراغ آئے
ہدایت کا سرچشمہ
اپنے ساتھ لائے
غار حرا سے نکلے
وہ آخری نبی تھے
ہر طرف نور سا تھا
ہر طرف روشنی تھی
آمد سے ان کی سب کو
آزادی جو ملی تھی

مصائب بھی بہت تھے
ثابت قدم کھڑے تھے
اصحاب بھی تو دشمن
کے سامنے ڈٹے تھے
احد احد پکارا
سینے پہ زخم کھایا
دشمن بھی اپنا آقا
نہ ہوش نہ سہارا
چچا بھی اپنے پیارے
مخالف ہی کھڑے تھے
لیکن نہ چھوڑا دیں کو
خدا واحد و یقیں کو
بولے اگر تم رکھ دو
شمس و قمر ہتھیلی پر
قائم رہے گی پھر بھی
اس دین کی سر بلندی
جنگیں بہت لڑی تھیں
فتوحات رب نے دی تھیں
فرشتوں کے ذریعے امداد
رب نے ایسے کی تھی
مِعرَاجُ پہ بلایا

نبیوں سے بھی ملایا
جنت کو بھی دکھایا
جہنم بھی نظر آئی
نماز کی فضیلت
تحفے میں تھی بتائی
احادیث میں وضاحت
ہے آپ نے فرمائی
وہ آخری نبی ہیں
خَتَمُ المُرسَلِیں ہیں
مقام ان کا اونچا
رُتبہ ہے سب سے اعلیٰ
انھیں کے ہاتھ میں ہے
کوثر کا وہ پیالہ
نجات کی سب راہیں
انھیں کی سنتیں ہیں
درود ان پہ پڑھیں
صلی علی کہیں جب
دل کا سکون پائیں
دل کا قرار پائیں
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آرٹ گیلری

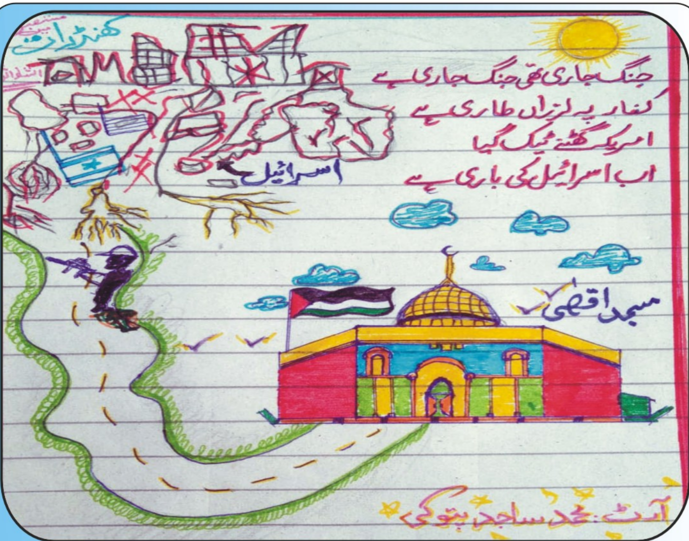

الجہاد فی سبیل اللہ
اللہ اکبر
الجہاد
طارق جمیل (بونیروال)


ام ایمن




محمد حذیفہ

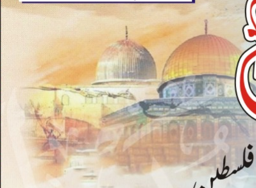



جنگ جاری تھی جنگ جاری ہے
کفار پہ لرزاں طاری ہے
امریکہ گھٹنے ٹیک گیا
اب اسرائیل کی باری ہے
اسرائیل
مسجد اقصیٰ
آرٹ: محمد ساجد بتوکی



فلسطین فلسطین

ہمشیرہ بابر آفریدی شہیدؒ



شہداء کی سرزمین فلسطین فلسطین
ہے کس قدر حسین فلسطین فلسطین

جاری رہا جہاد تو مٹ جائے گا عدو
مجھ کو ہے یہ یقین فلسطین فلسطین

پنجۂ کفر توڑ کے رکھ دیں گے ایک دن
تیرے مجاہدین فلسطین فلسطین

کٹ کٹ کے گر رہے ہیں زمین پر اِدھر اُدھر
میرے مخالفین فلسطین فلسطین

آقائے مغربی کے ازل سے غلام ہیں
مسلم یہ حاکمین فلسطین فلسطین

دل سے نکل رہی ہیں دعائیں تیرے لیے
اے ارضِ فلسطین ، فلسطین فلسطین

لوگو! اُٹھاؤ تیغ مزہ لو جہاد کا
نام و نشان مٹا دو جہاں سے فساد کا